جلد 18 شمارہ 2 ماہ فروری 2016ء ربیع الثانی / جمادی الاول 1437ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبت

اللہ

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری
0300-7374750

نائب مدیر: حافظ محمد یٰسین
0301-6484671

مجلس ادارت

خالد مسعود، ایم طالب
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411035 / 055-3411030
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

درس حدیث: نیکی اور بدی کی پہچان

(مولانا فضل الرحیم)

عَنِ النَّواسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ سَالْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِيْ صَدْرِکَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ○ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ نیکی اور گناہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تم اس بات کو برا سمجھو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔''

اسلامی تعلیمات میں نیکی اور گناہ کیلئے بنیادی اصول یہ ہے کہ جو عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق ہو وہ نیکی ہے اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ گناہ ہے۔حتیٰ کہ عبادات جو کہ سراسر نیکی ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کی جائیں تو بجائے نیکی کے گناہ کا سبب بن جاتی ہیں مثلاً روزہ رکھنا عظیم عبادت ہے لیکن عید کے دن چونکہ روزہ رکھنا ممنوع ہے اس لئے اگر عید کے دن روزہ رکھا تو گناہ کا سبب ہوگا۔

نیکی اصل میں اطاعت الٰہی کا نام ہے اللہ ربّ العزت نے اسلام کے ذریعہ ہمیں اچھے اخلاق کی تعلیم دی، حسن اخلاق یعنی لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

علامہ خازن اپنی تفسیر میں حُسن اخلاق کے اجزاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لوگوں سے محبت کرنا، معاملات کی درستگی، اپنوں اور بیگانوں سے اچھے تعلقات رکھنا، سخاوت کرنا، بخل اور حرص سے پرہیز کرنا، تکلیف پہنچنے پر صبر کرنا، اور ادب واحترام کے تقاضوں کو پورا کرنا۔

امام غزالیؒ نے حسن خلق کے بارے میں بڑی قیمتی بات فرمائی:

''حسن خلق کا ثمرہ الفت ہے اور برے اخلاق کا پھل بیگانگی اور دلوں کی دوری ہے۔''

دراصل اچھے اخلاق سے لوگوں کو فائدہ ہی پہنچے گا اور نیکی وہی ہو سکتی ہے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ جب لوگوں کو کسی کام سے فائدہ پہنچتا ہے تو وہ اس کام کو پسند کرتے ہیں اور خود کام کرنے والا بھی

اس بات کوفطری طور پر چاہتا ہے کہ میرے اچھے کام لوگوں کومعلوم ہوں۔ چنانچہ رسول اللہﷺ نے نیکی کے برعکس گناہ کی پہچان یہ بتائی کہ گناہ وہ عمل ہے جس کے کرنے کے بعد آدمی دل کے اندر کھٹکا محسوس کرے، حقیقت یہی ہے کہ مومن کا دل ہی نیکی اور بدی کی کسوٹی ہے۔ جب انسان سے برا کام سرزد ہوجاتا ہے تو پھر وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ لوگوں کو میرا یہ برا کام معلوم ہو اور وہ اسے چھپانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ لیکن اب ایک بات ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ رشوت لیتے ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور ان کا دل بھی رشوت لینے کو برا نہیں سمجھتا ہے تو پھر کیا یہ کام برا نہ ہوا! ۔واضح ہو کہ جس دل کا ذکر رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے اس سے مراد قلب سلیم یعنی تندرست دل مراد ہے، بیماردل مراد نہیں اور بیمار دل وہ ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ میں تمیز نہ کرسکے۔ جیسے تندرست زبان کے ذریعہ آپ میٹھے اور کڑوے کو بالکل صحیح طور پر معلوم کرسکتے ہیں، لیکن جس شخص کو بخار ہوجائے تو پھر اسے چینی بھی کھلائیں تو اسے کڑوی محسوس ہوگی۔ اسی طرح تندرست دل وہ ہوتا ہے جو گناہ کا عادی نہ ہو۔ جب انسان کو کسی گناہ کی عادت پڑ جائے تو پھر اس کا دل بیمار ہوجاتا ہے کیونکہ اس کے دل کے اندر گناہ کو گناہ سمجھنے کا احساس ہی ختم ہوجاتا ہے۔

مثال کے طور پر رشوت کے گناہ کا تذکرہ ہوا تو کسی ایسے شخص کو دیکھئے، جس نے کبھی رشوت نہ لی ہو، اگر کوئی شخص زبردستی اسے رشوت دینے کی کوشش کرے تو وہ لینے سے انکار کریگا بہت اصرار ہوا تو جب وہ لینے کیلئے ہاتھ بڑھا رہا ہو تو آپ غور سے دیکھئے! اس کے ہاتھ کانپ رہے ہوں گے، دل کی دھڑکن تیز ہوجائے گی اور سردی کے موسم میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نظر آئیں گے اور وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہوگا کہ کوئی مجھے رشوت لیتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ یہ سب کیفیات بتا رہی ہیں کہ اس کے دل میں رشوت سے نفرت ہے لیکن اللہ نہ کرے اس شخص کو شیطان نے بہکا دیا اب وہ رشوت لینے کا عادی ہوگیا تو پھر اب اس کے دل میں وہ رکاوٹ اور کھٹکا ختم ہوجائے گا اس لئے دل کو تندرست رکھنے کیلئے سب سے بڑی پابندی یہ اختیار کرنی ہوگی کہ وہ انسان کسی بھی گناہ کا عادی نہ ہونے پائے اور گناہ کی عادت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب گناہ سرزد ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے توبہ اور استغفار کرے، بس یہ شخص اس گناہ کا عادی نہیں بن سکتا۔

زمانہ حاضر کے تقاضے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

علم تصوف کے طالب علم عام طور پر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کو اس قدر زیادہ پڑھنے اور کرنے کو بتایا جاتا ہے کہ جس کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ پیٹ بھرنے کیلئے دنیوی کام کریں یا آخرت سنوارنے کیلئے اللہ اللہ۔ میں نے جب دائرہ تصوف میں قدم رکھا اور سلوک شروع کیا تو میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ حضرت صاحبؒ (مولانا کریم الدینؒ) نے مجھے پانچ ہزار مرتبہ پاس انفاس اور اتنا ہی نفی اثبات کرنے کو بتایا۔ اس کے علاوہ تہجد، دوسرے نوافل اور درود شریف کا ورد علیحدہ تھا۔ میں رات بھر جاگتا تھا مگر یہ اوراد پورے نہ ہوسکتے تھے تو مجبوراً دن میں پورا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو مرتبہ امتحان میں فیل ہوا۔ ملازمت کے دوران اس سے بھی زیادہ دشواری پیش آئی۔ بہر حال سلوک طے کرنے تک مجھے یہ تجربہ ہوگیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے، جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے۔ چنانچہ جب میں نے سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی تو ذکر، فکر اور تزکیۂ اخلاق کے لئے مجاہدے کے تمام طریقوں میں ایسی تبدیلیاں کردیں جو زمانہ حاضرہ کے مزاج اور آج کل کے انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ لوگوں کیلئے موزوں اور آسان ترین ہیں اور ہر شخص جو طالب راہ حق ہو نہایت آسانی سے دنیا کے سارے کام کرتے ہوئے ان پر عمل کرکے فائز المرام ہوسکتا ہے۔ یہ باتیں میں پہلے بھی بہت دفعہ بتاچکا ہوں لیکن آج ذرا وضاحت سے بیان کرونگا۔

1- پہلے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں بلکہ لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے تھے۔ چنانچہ بعض بزرگ سورۂ اخلاص سوا لاکھ مرتبہ بیس یا چالیس دن میں کروایا کرتے تھے۔ کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف روزانہ ہر نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ الحمد شریف، گیارہ سو مرتبہ یا مغنی، گیارہ مرتبہ سورۂ مزمل شریف، اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰسین شریف اور اسکے علاوہ بے شمار نوافل۔

آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ جو شخص اتنا پڑھے اور پھر کھانا نہ کھائے متواتر روزے رکھے اس کی صحت کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ نعوذ باللہ یہ باتیں فضول تھیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آجکل جب کہ حصول معاش کیلئے دن رات میں کم از کم بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، پرانے زمانے کے اوراد و وظائف پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس لئے میں نے صرف یہ طریقہ بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی تم کوئی دماغی کام نہ کررہے ہو اور خالی الذہن ہو ہر سانس سے اللہ۔ اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ برتو۔ یہی طریقہ قرآن پاک میں بھی بتایا گیا ہے۔ دوسری چیز نفی اثبات کا ذکر ہے جس کیلئے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ اب آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور اس سے اپنی محبت کے رشتے استوار کرنے کا اور کوئی آسان طریقہ ممکن ہے؟

2- پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کیلئے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا۔ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کردو اور اس کی جگہ عالمگیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کرلو۔ اس کی تفصیل تعمیر ملت اور طریقت تو حیدیہ میں پڑھ لیجئے۔

3- دوسرے سلسلوں میں انکسار پیدا کرنے کیلئے یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تمام مخلوق سے ذلیل و حقیر سمجھو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی خودی اور خودداری بالکل ختم ہوجاتی ہے اور اس کی وہ تمام اُمنگیں مر جاتی ہیں جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایک معاشرے اور قوم کو زندہ، باعزت، باغیرت اور متحرک بالعمل بنانے کیلئے قدرت کی طرف سے فطرتاً پیدا کی گئی ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ سکھایا جاتا ہے کہ اپنی کسی چیز پر غرور نہ کرو کیونکہ اس سے آئندہ کے لئے طلب ختم ہوجاتی ہے۔ بلکہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم نہ اپنے آپ کو ذلیل و حقیر سمجھو

نہ کسی دوسرے کو، ہم سب اللہ تعالیٰ کی مصنوعات ہیں ۔اللہ تعالیٰ کی کسی صنعت سے نفرت کرنا یا اس کو ذلیل سمجھنا خود خدا کی توہین ہے ۔ہم دراصل یہ کہتے ہیں کہ تم اس قصہ میں ہی نہ پڑو کہ کون ذلیل ہے اور کون بزرگ و برتر ہے اور اگر تمہیں ایسا کرنا ہی پڑے تو قرآن کی اس آیت کی کسوٹی پر پرکھو کہ ''جو شخص جس قدر زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ ہے ۔''

4- دوسرے کئی سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزت کی جاتی ہے کہ جو عبادت کی حد تک پہنچ جاتی ہے ۔مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے جاتے ہیں ۔ان کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے ۔ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا ۔ہم قرآن پاک اور احادیث و سنت کی روشنی میں اس بات کو شرک اکبر جانتے ہیں ۔تعمیر ملت میں بیسیوں آیتیں اس بات کے ثبوت میں، میں نے تحریر کر دی ہیں جس کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کے عقیدے پر پورے استحکام سے ڈٹے رہیے۔ تاہم میں آپ کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ جو لوگ قبر پرستی وغیرہ کرتے ہیں ان سے الجھنے یا بحث کرنے کی آپ کو ہرگز اجازت نہیں ہے ۔ان کا دین ان کیلئے ہے اور تمہارا دین تمہارے لئے ۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ یہ لوگ جن باتوں پر جھگڑتے ہیں قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون تھا۔ دوسری بات یہ کہ جھگڑنے اور بحث کرنے سے سوائے وقت ضائع کرنے اور دلوں میں بدمزگی پیدا کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے ۔ بحث سے کوئی شخص بھی اپنا عقیدہ نہیں بدلا کرتا ۔حتیٰ کہ کافر بھی باوجود عقلاً مان لینے کے بُت پرستی ترک نہیں کرتے ۔ہمارے سلسلہ میں پیر کی بابت صرف تین باتیں بتائی جاتی ہیں:

۱۔ عقیدت

۲۔ ادب

۳۔ فرمانبرداری

عقیدت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے مرشد کو سچا، خدا رسیدہ اور رُشد و ہدایت کا اہل سمجھتے ہو۔ ادب عقیدت کا ایک لازمی جزو اور انسانی شرافت کی ایک ضروری نشانی ہے۔ ''با ادب با نصیب ، بے ادب بے نصیب'' کا مقولہ غلط نہیں ہے۔ دنیاوی محفلوں میں بھی بے ادب انسان دوسرے لوگوں کے دل میں اپنے متعلق کوئی اچھی رائے پیدا نہیں کر سکتا تو بزرگوں کی مجلس میں وہ لوگوں کے دلوں میں اپنا کوئی اچھا مقام کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ فرمانبرداری اس لئے ضروری ہے کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو تم اس سے قطعاً ناواقف ہو۔ لیکن تمہارا مُرشد جو اس راستہ کو طے کر چکا ہے اس کے تمام پیچ و خم سے خوب واقف ہے۔ اگر تم اس کے کہنے کے مطابق اندھوں کی طرح عمل نہ کرو گے تو یقیناً کسی کھڈ میں گر کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ ہمارے حلقہ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن کو خدا نے نورِ بصیرت عطا فرمایا ہے وہ دیکھ سکتے ہیں۔

5- ہمارے سلسلہ میں رہبانیت اور دنیا سے نفرت و حقارت کی تعلیم مطلق نہیں دی جاتی کیونکہ یہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضور ﷺ کی سنت کے بالکل خلاف ہے بلکہ روپیہ کمانے اور دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن اس طرح جس سے غرور بالکل پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ جو کچھ بھی کمایا اور پیدا کیا جاتا ہے وہ سب قوم، ملک اور خلقِ خدا کی خدمت کیلئے ہوتا ہے۔

6- دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلے میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

7- ہمارے سلسلہ میں سستی اور بیکاری سے بچنے کیلئے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کر سکو تو تعلیم میں ترقی کرو اور ایم اے تک امتحانات پاس کرتے چلے جاؤ۔ یا کوئی ٹیکنیکل کام اور ہنر سیکھو۔ چنانچہ اس وقت ہمارے بھائیوں میں

کم ازکم ڈیڑھ سو آدمی ایسے ہیں، جنہوں نے بی۔اے، ایم۔اے اور ایل ایل بی وغیرہ کے امتحانات پاس کیے ہیں اور آج ہزاروں روپیہ مہینہ کمارہے ہیں۔

8- ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلفاء بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے، اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان خلفاء کے ماحول، اخلاق، ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لئے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بجنسہٖ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص خواہ کتنی اچھی جماعت بنائے اور وہ خواہ کتنا ہی عالم و فاضل اور رغدا رسیدہ ہو ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ میری بھی صحت اب جواب دے رہی ہے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کل حاضر ہونا پڑ جائے یا کچھ اور برس لگ جائیں۔ اس لئے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی رائے میں ہماری جماعت اور ہمارا حلقہ انسانی اصلاح کیلئے ایک مثالی حلقہ ہے اور معاشرے کی اصلاح میں کوئی خاص کردار ادا کر سکتا ہے تو آپ اب میری بجائے جماعت سے محبت کرنا اور جماعت کو زیادہ عزیز رکھنا سیکھیں۔ اس کے لئے آپس میں بے انتہا محبت اور زیادہ سے زیادہ ایثار کی ضرورت ہوگی۔ اگر آپ نے ان دو باتوں پر عمل کیا تو انشاء اللہ آپ کا حلقہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے گا اور عام مسلمانوں کے اخلاق کو سدھارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دے گا۔

محبانِ عزیز! آپ کو معلوم ہے کہ میں مسلسل علیل چلا آرہا ہوں۔ لہٰذا آج کی صحبت میں مجھے آپ سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ حلقہ کی تعلیم پر پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو، عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔

اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرو۔دنیوی ترقی کیلئے نئی نئی راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ہمت نہ ہارو، ہمیشہ خوش رہا کرو۔دل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں، آنکھوں، کانوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے ۔مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔

آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ سب قرآن اور احادیث رسول کریم ﷺ سے ہے میری اپنی طرف سے کچھ نہیں ہے۔اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ایک ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے بشرطیکہ آپ اپنی بہبودی اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں ۔اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بدقسمت اور کون ہوسکتا ہے!۔

آیئے! اب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے مسلمانوں پر رحم کرے،تمام ممالک اسلامیہ کو آپس میں اتحاد اور اتفاق عطا فرمائے اور کفار و مشرکین کا مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت دے کر ان پر فتح کامل عطا فرمائے ۔ ہمارے وطن عزیز پاکستان کو داخلی و خارجی استحکام، بقاء، سلامتی، امن اور خوشحالی بخشے۔اللہ تعالیٰ حلقہ توحیدیہ کے تمام بھائیوں کو دین و دنیا کی دولتوں سے مالا مال کرے۔اپنی راہ پر مزید خلوص اور جوش سے چلنے کی توفیق دے۔اپنی اور اپنے محبوب ﷺ کی محبت کے نور سے ہمارے قلوب کو جگمگا دے۔ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنے پیارے رسول ﷺ کے صدقے میں یہ ہمت دے کہ ہم اپنی جان، اپنی روح اور اپنے جسم کا ایک ایک ذرّہ اپنی ملکیت کا ایک ایک پیسہ اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ اُمت محمدیہ کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لئے نچھاور کردیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔　(**چراغ راہ** : ساتواں خطبہ)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ جو فیض ہے یہ دل پر کیوں لیتے ہیں، دماغ پر کیوں نہیں لیتے؟ بابا جانؒ فرمانے لگے کہ قرآن پاک میں یہ 'قلب' جو ہے یہ دل اور دماغ دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ان کے پاس دل ہیں مگر یہ سوچتے نہیں۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ. (سورۃ الاعراف ۷۔آیت ۱۷۹)۔اب سوچنا تو دماغ کا کام ہے۔بابا جیؒ نے بھی لکھا ہے کہ جب آدمی آگے جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ یہ دل اور دماغ ملے ہوئے ہیں۔جب آپ کو کسی بات پر خوشی ہوتی ہے تو آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ خوشی کی جو لہر ہے یہ میرے دل میں ہے۔اسی طرح درد بھی دل پر محسوس ہوتا ہے۔یہ دل اور دماغ کا اندرونی تعلق موجود ہے۔وحی کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ جبرائیلؑ نے یہ قرآن آپ ﷺ کے قلب پر اتارا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (سورۃ الشعراء ۲۶۔آیات ۱۹۲۔۱۹۴)

باہر سے اثرات کو Receive کرنے کا جو Source ہے وہ قلب ہے۔یہاں سے تار باہر بورڈ کو لگائی جاتی ہے۔اُدھر سے وحی آئی اس قلب پر، یہاں سے دماغ کو اور سب نظام کو کنٹرول کیا گیا۔ایک حدیث بھی ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے، اور یہ کہ وہ قلب ہے۔بزرگ کہتے ہیں کہ قلب سے مراد یہ لوتھڑا نہیں ہے بلکہ یہ وہ مقام ہے کہ جس کا ہدایت کے ساتھ تعلق ہے، اسے اس دل کے ساتھ ملا تا رہا ہے جو خون کا لوتھڑا ہے۔اس مقام کو اس دل سے مناسبت ہے مگر یہ مراد نہیں ہے۔وحی جو آئی تو وہ قلب پر ہی

آئی۔یہ جوانسانی Feelings ہیں، آدمی ان کو اِدھر محسوس کرتا ہے۔خوشی ہو تو چہرہ بھی سُرخ ہوجاتا ہے۔چہرہ خوشی سے کِھل اٹھتا ہے۔دل اسے محسوس کرتا ہے، دماغ اسے محسوس نہیں کرتا کہ یہ خوشی ہے۔

یہ انسان کا Knowledge وقت کے ساتھ آگے آگے چلتا رہتا ہے، سائنس میں بھی ایسے ہی ہے۔چاند کے بارے میں تھا کہ یہ زمین کا حصہ ہے۔چاند، زمین سے علیحدہ ہوا ہے اوراس کے گرد ہی چکر لگاتا ہے۔یہ زمین کا ٹکڑا تھا، اب علیحدہ ہے۔زمین جو ہے، سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، یہ اس سورج کا حصہ ہے بلکہ سارے سیارے سورج سے نکلے ہیں، سورج ان کی ماں ہے۔انسان جب چاند سے مٹی لائے، اس کا Analysis کیا تو پتا چلا کہ یہ تو زمین سے پہلے پیدا ہوا ہے، زمین کی عمر سے تو اس کی عمر زیادہ ہے۔یہ کہیں دُور سے آیا ہے، یہ اس کا حصہ نہیں ہے۔اب نئی بات آئی تو پرانی کو Change کر دیا۔نئی توجیح کی کہ یہ چاند کہیں سے آ رہا ہو گا، زمین نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تو یہ اس کے گرد چکر لگانے لگا، اور بھی کئی باتیں ہیں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ. فَجَعَلَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ. فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (سورۃ فصلت ۴۱۔ آیات ۱۲-۹)

”ان سے کہیے کیا تم واقعی انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا ہے زمین کو دو دنوں میں، اور ٹھہراتے ہو تم اس کیلئے (دوسروں کو) ہمسر، یہی ہے رب سارے جہان والوں کا۔اور گاڑھے اس نے زمین میں لنگر (پہاڑ) اوپر سے، اور برکتیں رکھیں اس میں، اور رکھ دیا اندازے کے مطابق اس کے اندر سامانِ خوراک چار دنوں میں، جو حاجت مندوں کی ضرورت کے مطابق ہے

پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف جب کہ وہ محض دھواں تھا اور اس نے حکم دیا اسے اور زمین کو بھی کہ آجاؤ (وجود میں) خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا آگئے ہم خوشدلی کے ساتھ۔ پھر بنا دیا اس نے انہیں سات آسمان دو دنوں میں، اور وحی کر دیا ہر آسمان میں اس کا قانون اور آراستہ کر دیا ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے اور خوب محفوظ کر دیا۔ یہ منصوبہ ہے ایک زبردست ہستی کا جو علیم بھی ہے۔''

اللہ تو فرماتا ہے کہ زمین کو بنایا، اس میں پہاڑ او رقوتیں رکھیں اور پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور وہ جڑے ہوئے تھے۔ ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اب یہ زمین پہلے بنائی، چار دن اس میں لگائے، اس میں قوتیں رکھیں۔ اس میں چار دن لگائے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا، وہ ملے ہوئے تھے، ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ یہ سب سیارے اور جو کچھ ہے اسے الگ الگ کر دیا اور یہ سورج کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ اب یہ واضح ہے کہ زمین پہلے ہے اور آسمان بعد میں ہیں۔ چاند کا یہ (سائنسدان) کہتے ہیں کہ یہ پرانا ہے۔ سورج کا کہا کہ یہ سب سے بڑا ہے، یہ بھی چل رہا ہے۔ یہ سورج بھی ایک کہکشاں میں اپنے گرد چکر لگانے والوں کو ساتھ لے کر آگے چل رہا ہے۔ یہ کہکشاں جو ہے، وہ بھی Static نہیں، وہ بھی اپنے سارے سیاروں سمیت چل رہی ہے۔ اس کی بھی آگے کوئی منزل ہے۔ انسان کی جو Observations ہوتی ہیں وہ اس کے مطابق Theories وضع کرتے ہیں، آگے مزید ان کو Satisfy کرتے ہیں۔ باباجیؒ نے بھی کہا کہ یہ دماغ مرکز نہیں ہے۔ یہ دل ہے، یہ آگے چلتا ہے۔ دماغ کافی کچھ یہ اور وہ کرتا ہے کہ میں کون؟ اس کو کون کنٹرول کرتا ہے؟ اس کو یہ دل کنٹرول کرتا ہے۔ یہ فیض اسی لئے سب قلب پر لیا جاتا ہے۔ خوشی کا اثر بھی دل پر ہوتا ہے، وہاں سے آگے چلتی ہے۔ وحی کا بھی کہا کہ قلب پر آتی ہے۔ یہ قلب Guide ہے۔

پہاڑوں کا بھی اللہ کہتا ہے کہ یہ اوپر سے ڈالے، یہ زمین کا Part نہیں ہیں۔ انسان تو کہتے ہیں کہ یہ زمین سوکھ گئی، جو Hardpart تھے وہ پہاڑ بن گئے اور باقی جو نرم تھے وہ میدان ہیں۔ وہ پہاڑ پکے، یہ کچے۔ ان کا Material تو ایک ہوتا ناں۔ یہ Different material سے

بنے ہیں۔ ان پہاڑوں کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اوپر سے ڈالے تا کہ زمین ہلے نہیں۔ یہ کیل لگائے ، اب یہ اِدھر اُدھر نہیں جائے گی۔ زلزلے والے کہتے ہیں کہ یہ زمین کی پلیٹیں ہیں جو ہلتی ہیں۔ یہ پہاڑ نہ ہوں تو یہ روز زلزلے آئیں۔ کیل وہاں لگتے ہیں جہاں دو چیزوں کو جوڑنا ہو۔ اب دیوار میں اگر کیل لگائیں گے تو یہ اوپر والی پٹی ، دوسری سے جڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ پہاڑوں کو کیل بنایا۔ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا۔ (سورۃ النباء ۷۸۔ آیت ۷) ''اور پہاڑوں کو گاڑھ دیا میخوں کی طرح۔'' کیل دو چیزوں کو جوڑنے کیلئے لگاتے ہیں، جیسے پیچ لگا ہو۔ اگر زمین ایک ہی مٹی کا گولہ ہے تو اس میں کیل لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ (زمین) تو نہیں جوڑتی۔ پہاڑوں نے آکے زمین کو جوڑا ہے۔ پہاڑوں نے زمین کی پلیٹوں کو لگا دیا ہے، یہ Fix ہو گئیں۔ یہ پہاڑ وں نے کئی کئی میل اندر جا کر زمین کے حصوں کو جوڑا ہے۔ یہ (پہاڑ) اللہ نے اوپر سے ڈالے تا کہ یہ (زمین) ہلے نہیں۔ Balance کیا، اب یہ (زمین) چل رہی ہے اور ہم اوپر بیٹھے ہیں۔ Speed کے ساتھ چل رہی ہے، گھوم بھی رہی ہے اور آگے بھی چل رہی ہے۔ اب ہم بیٹھے ہیں تو ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ ہم چلتی ہوئی چیز پر بیٹھے ہیں۔ یہ اس اللہ نے کہا کہ اس کو Balance کیا، یہ پہاڑ اوپر سے ڈالے، اور جیسے انہیں چاہا، ویسے بنایا۔ یہ ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہوتی۔ یہ سب اس (اللہ) کی خواہش پر چلتا ہے۔ یہ پنکھا ذرا اِدھر اُدھر ہو جائے تو فوراً کڑ کڑ کرنے لگتا ہے۔ جب یہ بنایا جاتا ہے تو اس کے پروں کا وزن اور پیمائش سب برابر رکھی جاتی ہے، Angle مشین کے ذریعے بنایا جاتا ہے، یہ بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اگر وزن برابر ہونے کے باوجود بھی Angle مختلف ہو گئے تو آواز دے گا۔ اگر پروں کے وزن میں فرق ہو تو پھر اس میں سوراخ کر کے Metal بھرتے ہیں تا کہ برابر وزن میں اور Angle سے یہ گھومے تو ہر طرح Balance ہو۔ Balance گھومنے والی چیز کیلئے ضروری ہے۔ یہ زمین گھوم بھی رہی ہے اور آگے بھی چل رہی ہے۔ اس کو اللہ نے یہ ہدایت کی ہے۔

فرعون کا بھی قرآن میں آتا ہے کہ 'میخوں والا فرعون'۔ فِرْعَوْنَ ذُو الْاَوْتَادِ.

(سورۃ ص ۳۸۔آیت ۱۲) ذُو الاَوتَــاد کا مطلب یہ تفسیر میں دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ ذُو الاَوتَـاد کا مطلب ہے 'اہراموں والے'۔ یہ بھی پہاڑ ہی ہیں۔ یہ اتنے بڑے بڑے اہراموں کے مقبرے جو بنائے گئے تھے یہ سب پہاڑ ہی ہیں، ان کو بھی لوگ پہاڑ ہی کہتے تھے۔ فرعون کو یہاں یہی کہا گیا ہے کہ وہ 'پہاڑوں والے فرعون'۔ قرآن میں بھی ان کو پہاڑ ہی کہا ہے۔ زمین کو دیکھیں، اللہ نے کہا۔

وَ اِلَی الجِبَالِ کَیفَ نُصِبَت. واِلَی الاَرضِ کَیفَ سُطِحَت.

(سورۃ الغاشیہ ۸۸۔ آیات ۲۰۔۱۹)

پہاڑوں کو دیکھیں کیسے اس نے نصب کیا۔ زمین کو دیکھو کیسے اس نے ہموار کیا۔ زمین کا حال علیحدہ ہے۔ وَ اِلَـی الـجِبَـالِ کَیفَ نُصِبَت. اور پہاڑ دیکھو کیسے ہم نے گاڑھے ہیں۔ آسمانوں کو دیکھو کیسے اس نے بلند کیا۔ زمین اور پہاڑ۔ نیچے سے شروع کریں تو پہلے زمین، پھر پہاڑ۔ اتنی بڑی بات ہو رہی ہے Background کی۔ بعض مفسرین نے یہاں 'اِبِل' کا مطلب 'اونٹ' لا کھڑا کیا ہے۔ تناظر کچھ اور ہے، بات تخلیقِ کائنات کی ہو رہی ہے، اس میں اونٹ کہاں سے آ گیا؟ نہیں جی۔ وہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ ایسے ہوتا ہے، ویسے ہوتا ہے، اونٹ کی بات ہے۔ پہلے یہ دیکھو کہ اَفَلا یَنظُرُونَ اِلَی الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَت. (سورۃ الغاشیہ ۸۸۔ آیت ۱۷) اس کے بعد وَاِلَـی السَّـمَآءِ کَیفَ رُفِعَت. (سورۃ الغاشیہ ۸۸۔ آیت ۱۸) پہلے اِبِل، پھر آسمان، پھر پہاڑ، پھر زمین۔ اب نیچے آ رہے ہیں۔ آسمان، پہاڑ، اور زمین۔ اونٹ کیسے یہاں آ گیا؟

ہمارے مولوی صاحب عربی زبان کے ماہر ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمیں 'اِبِـل' معنی بتائیں کہ اس کے اور کون کون سے معنی ہیں؟ اس لفظ کے ایک ہی معنی تو نہیں ہو سکتے، عربی بڑی وسیع زبان ہے۔ اس کے اور معنی ضرور ہوں گے جو اس (کائنات) کے Initial مادہ کی طرف ہوں۔ Initial مادہ جو پیدا ہوا ہے وہ کیا ہے؟ اس کیلئے انہوں نے کہا کہ 'بے ڈھنگا مادہ'۔ بے ڈھنگے کیلئے کہا کہ اونٹ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اشارہ اس مادے کی طرف ہو جو بے ڈھنگا

پیدا کیا گیا ہے۔ جس کی کوئی شکل وصورت نہیں تھی وہ کیسے پیدا ہوا۔

اَ فَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَت. وَاِلَی السَّمَآءِ کَیفَ رُفِعَت. وَاِلَی الجِبَالِ کَیفَ نُصِبَت. واِلَی الاَرضِ کَیفَ سُطِحَت. (سورۃ الغاشیہ ۸۸۔ آیات ۱۷۔۲۰) انہوں نے (مولوی صاحب نے) جو بھی کہا میں اس سے مطمئن نہیں ہوا کہ اِبِل کے اور کوئی معنی ہیں کسی ڈکشنری میں۔ ہوسکتا ہے کہ بے ڈھنگا ہی ہو۔ چیزوں کے نام بھی تو ان کی شکل وصورت پر ہی رکھتے ہیں۔ 'اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'۔ ہوسکتا ہے کہ 'اِبِل' کے معنی 'بے ڈھنگا ہی ہو، یعنی بے ڈھنگا مادہ جس کی کوئی شکل وصورت نہیں تھی، وہ پہلے بنا۔ پھر آسمان بنائے، پھر پہاڑ بنائے، پھر زمین بنائی۔ اوپر سے آسمانوں کی طرف سے نیچے کی طرف نزول ہو رہا ہے۔ 'اونٹ' کا یہاں Fitting کچھ لگتا نہیں۔ یہاں اُس Original کی بات ہے جیسے مادہ تخلیق ہوا ہو۔ ہزاروں، لاکھوں سال پہلے وہ Big bang جو ہوا تو اس کی اتنی Speed تھی کہ یہ ذرے نزدیک نہیں آسکتے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کئی لاکھوں سال بعد Speed کم ہوتی گئی، Temperature کم ہوتا گیا، پھر ان (ذرّوں) کا Contact ہوا اور پہلا ایٹم بنا۔ کئی لاکھ سال کے بعد ایٹم Create ہوا۔ وہ جو مادہ تھا، وہ اتنی High Speed سے چلا، اتنا Temperature تھا ظاہر ہے۔ ایک سیکنڈ کے بعد ہی اربوں ڈگری گر گیا۔ لیکن وہ بے تحاشا تھا۔ کائنات میں سب کچھ بکھرتا گیا، لاکھوں سال بعد یہ Temperature کچھ ٹھنڈا ہوا، یہ ذرے Close up ہوئے، ان کا Interaction ہوا اور پھر پہلا ایٹم بنا۔ اب یہ جو ترتیب ہے، اس میں میرا خیال ہے کہ یہ ایسے ہے۔ یہ 'اِبِل' کسی اور معنی میں آتا ہے ابتدائی مادہ کے طور پر۔ پھر آسمان، اوپر سے چلے، نیچے پہاڑ آگئے، اور پھر زمین آگئی۔ ان کو دیکھیں کہ یہ کیسے بچھائی گئی ہے۔ خصوصی طور پر بھی آیا کہ جب قیامت ہوگی تو پہاڑ جو ہیں یہ روئی کی گالوں کی طرح اُڑیں گے۔ زمین کا نہیں کہا یہ نہیں اُڑے گی۔ اس میں یہ 'اِبِل' میرا خیال ہے کہ یہ Fitting ہوگی کہیں۔ یہ بات جو ہے یہ الگ ہے۔

اَلْقَارِعَةُ۔ مَا الْقَارِعَةُ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ۔ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۔ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ۔ فَھُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ۔ فَاُمُّهٗ ھَاوِیَةٌ۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَا ھِیَهْ۔ نَارٌ حَامِیَةٌ۔ (سورۃ القارعۃ ۱۰۱) میرا خیال ہے کہ یہ 'ابل' Permanent fit نہیں ہوتا۔ یہ کہیں چھلانگ نہ لگا جائے۔ یہ ظاہر بات ہے۔۔

بابا جی یعقوب صاحب نے پوچھا کہ ''اس کا کیا معنی ہے بابا جی کہ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (سورۃ المزمل ۷۳۔ آیات ۱۵۔۱۴)'' وہ بھر بھرے ہو جائیں گے۔ ریت کے جیسے ہو جائیں گے، یعنی وہ سخت پہاڑ کی جو ہے پتھر کی، وہ ختم ہو جائے گی۔ بھر بھری ریت جیسے ہوتی ہے ایسے ہو جائیں گے۔ زمین کے بارے میں نہیں کہا کہ اس میں کوئی Change ہوگی، یہ سڑ جائے گی یا گل جائے گی۔ اسی کے بارے میں کہا ہے کہ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا مٹی کے جیسے ڈھیر بن جائے گی۔ اس قیامت کا لکھا کہ کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی، ہموار میدان ہوگا، سارا میدان ایسے سجا ہوگا، کوئی اونچ، نیچ نہیں رہے گی، سب ختم ہو جائے گی۔ یہ پہاڑ سب بکھیر کے سیدھا کر دے گا، کوئی یہاں اونچ، نیچ نہیں ہوگی۔ پہاڑ بھر بھرے ریت کے سے ہو جائیں گے۔ وہ بھی فرمایا کہ دوزخ میں اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ پتھر جو ہے اس میں Fuel ہے۔ یہ Break ہوں گے۔ پتا نہیں اس میں Atomic fuel ہوگا یا کیا ہوگا، یہ As ایندھن استعمال ہوں گے، سب ختم ہو جائیں گے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحبؒ کا خط بنام سیّد عابد کبیر شاہ

مورخہ : 25.01.1999

اسلام علیکم و رحمۃ اللہ !

الحمدللہ آپ ذوق وشوق سے سلسلہ کی تعلیم پر عمل کررہے ہیں اوراللہ تعالیٰ کی محبت میں آگے بڑھنے کیلئے آپ جومحنت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطافرمائے اورسیروسلوک کی راہ میں جوپردے پڑے ہوئے ہیں انہیں اُٹھادے۔آمین۔

دل کی دھڑکن کی فکرنہیں کرنی چاہیے۔بانیٔ سلسلہؒ دھک دھک کرنے والے دل کو اچھا نہ جانتے تھے۔اصل بات اللہ تعالیٰ کے ذکر کا سانسوں میں اس طرح رچ بس جانا ہے کہ اللہ کا ذکر بلاارادہ جاری ہوجائے اورکوئی سانس اس کی یاد سے خالی نہ گزرے، یہی قلب کا جاری ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ تمام برادران کو باہمی اخوت ومحبت کے جذبہ سے سرشارفرمائے اورقبلہ حضرت بانیٔ سلسلہؒ کی تعلیم پرخلوص سے عمل کرنے کی توفیق سے نوازے اوراپنے رضاوالے اعمال سے ظاہروباطن کوحسین تر بنانے کا ذوق ارزانی فرمائے۔آمین۔

مورخہ : 20.07.1999

عبداللہ شاہ کی ملازمت مبارک ہواللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید نعمتیں نصیب فرمائے۔

لسوڑی کا 29 جولائی کا پروگرام نہیں بن سکتا۔بلکہ آئندہ بھی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ کے یوم پیدائش پرکوئی خصوصی پروگرام ترتیب نہیں دیا جائے گا۔اوپراس کی منظوری نہیں مل رہی،کہیں دوسرے سلسلوں کی طرح یہاں بھی رسوم وروایات کا غلبہ نہ ہوجائے۔قبلہ حضرت انصاریؒ نے چونکہ رسالدارؒاورمولانا کریم الدین احمدؒ کے یوم ولادت ووفات نہیں منائے تھے۔اس لئے ہم نے یہ سلسلہ شروع کردیاتو پھر یہ سنداوردلیل بن جائے گی اورپھر یہ کام بڑھتا چلا جائے گااوراصل کام پسِ منظر میں چلا جائے گا۔حلقہ فنڈ کے بارے میں ہرجگہ تاکید کی جاتی ہے کہ جتنا ہو تھوڑا یا زیادہ

باقاعدگی کے ساتھ ہر ماہ آنا چاہیے۔حلقہ توحیدیہ کا تو شعار محبت ہے اور محبت ہی اعمال کی روح ہے۔حلقہ فنڈ بھی محبت اور شوق کے ساتھ دینا چاہیے تا کہ سلسلہ کے اغراض و مقاصد کو فروغ دیا جائے ۔بار بار کہنا اچھا نہیں لگتا، خاص طور پر توحیدی بھائیوں کو۔اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں کی محبت اور زیادہ کرے، زیادہ رزق عطا فرمائے اور ترقی اور درجات نصیب فرمائے۔اللہ تعالیٰ دشمنوں کی دشمنی،شریروں کے شر،حاسدوں کے حسد اور جادوگروں کے فساد سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔

مورخہ : 21.07.2000

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

توحیدیہ مرکز **تعمیر ملت** کی سفیدی وغیرہ کا کام بھی سرگرمی سے طالب صاحب کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔کمروں کے اندر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔باقی کام اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہفتہ عشرہ میں مکمل ہو جائیگا۔اس کے بعد بیرونی چاردیواری بنوانے کا ارادہ ہے اس کیلئے بھائیوں سے اپیل کرونگا کہ اگست سے نومبر تک چار ماہ میں حلقہ فنڈ کے علاوہ ہر بھائی ہزار روپے ضرور جمع کرائے جو اتنا نہ کر سکیں وہ -/500 روپے دیں۔جو زیادہ دے سکتے ہیں وہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں تعاون فرمائیں۔انشاءاللہ یہ کام بھی پورا ہو جائے گا۔میں چاہتا ہوں کہ **توحیدیہ مرکز** کی ظاہری شکل وصورت کی تکمیل ہو جائے۔آگے آئندہ نسلیں اس کام کو آگے بڑھاتی رہیں گی اور مرشد کریمؒ کی تعلیم کی اشاعت کا مبارک کام فروغ پاتا چلا جائے گا۔

توحیدی فقیروں کا اخلاق تو معیاری ہونا چاہیے تا کہ حلقہ کی نیک نامی پر کوئی حرف نہ آئے۔اس لئے کہ نمازوں اور ذکر سے مقصود یہ ہے کہ ہمارا اخلاق اچھا ہو جائے اور ہم متقی اور دیانتدار انسان بن جائیں اور پیسہ اور کوئی دوسری چیز ہمیں حق سے ہٹا نہ سکے۔میری گزارش ہے کہ اپنے مزارعہ کو خوشی خوشی اس کے حق سے زیادہ دے کر احسان کریں تو اور بھی اچھا ہے۔

والسلام

دنیا کے کامل ترین انسان پیغمبر اسلام ﷺ

(خطبات مدارس- از سید سلیمان ندوی) (انتخاب: پیر خان توحیدی)

دنیا میں ایسے بے شمار لوگ گزرے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے ممتاز یا انفرادی حیثیت رکھتے تھے جنہوں نے اس تمام نظام کو چلانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ایک طرف اس دنیا کے بادشاہ بڑے بڑے لیڈر اور فوجوں کے سپہ سالار جو قوموں کی تقدیر بدل ڈالنے کے دعویدار ہیں تو دوسری طرف شعراء حکماء اور فلسفیوں کا طبقہ جو اپنے افکار اشعار و الفاظ کی حکمتوں کے ذریعے پوری دنیا کے نظام کو درست رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔ایک اور طبقہ تاجروں صنعت کاروں اور دولت مند حضرات کا ہے اس طبقے کا خیال یہ ہے کہ تمام دنیا کا سماجی اور معاشی نظام انہی کے سہارے چل رہا ہے۔اگر دیکھا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان تمام طبقوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق قوم و ملت کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ شامل کیا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس طبقے نے انسانی فلاح و بہبود کے لیے حسن عمل کا کوئی خوش نما یا خوش گوار نمونہ نہیں چھوڑا۔

بنی نوع انسان کی بھلائی، ان کے اخلاق کی اصلاح ان کے دلوں کی صفائی اور ان کا رشتہ اللہ ربّ العزت کے ساتھ جوڑنے کے لیے کوئی کامیاب کوشش اگر کسی نے کی ہے تو صرف انبیاء کرامؑ اور مرسلین عظامؑ ہی کا طبقہ ہے۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مقصد عظیم کے لیے اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام اور درست عقائد کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا۔گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے ان کا دائرہ کار اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں اور اپنے اپنے زمانے تک محدود تھا جسکی وجہ سے ان کی تعلیم کو دوام حاصل نہ تھا۔اس لیے ایک کے بعد ایک انبیاء تشریف لاتے رہے اور

اولادِ آدمؑ کو نورِ نبوت سے فیض یاب فرماتے رہے۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا اور سلسلہ نبوت و رسالت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ اب قیامت تک نہ کوئی اور نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی شریعت آئے گی۔ اب قیامت تک آپ ﷺ ہی کی شریعت باقی اور برقرار رہے گی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے آنحضرت ﷺ کو ظاہری و باطنی تمام کمالات سے کامل اور اکمل طور پر آراستہ فرما کر دنیا میں بھیجا تا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ہر دور کے لیے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

(اے نبی ﷺ!) ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا ہوشیار کرنے والا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ فریضہ آپ ﷺ کی اُمت پر ڈال دیا گیا ہے کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں تک اللہ کے دین کو پہنچائیں اور انہیں سچی کامیابی کا سیدھا راستہ دیکھائیں۔ لہٰذا تاجدار انبیا ﷺ کے تمام اقوال اور تمام افعال و اعمال پوری اُمت کے لیے حجت اور مشعل راہ ہیں۔ اور اتباع رسالت یہی ہے کہ رسول مکرم ﷺ کے تمام فرامین پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھ کر دل و جان سے عمل کیا جائے۔ اگر کوئی پیغمبر اسلام کے احکامات نہ مانے یا آپ ﷺ کے فیصلہ کو پس پشت ڈالے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے احکامات کو نہ ماننے کا مطلب خود اللہ کے احکامات سے انکار ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اے نبی! کہہ دیجیے کہ اے لوگو! اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تو میری تابعداری کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ قرآن کی اس آیت پر اگر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ نبی ﷺ کی تابعداری کے بغیر اللہ کی محبت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب اللہ کی محبت نہ ہوگی، فلاح کے راستے معدوم ہو جائیں گے آدمؑ سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک بڑی شان والے کئی نبی اپنی اپنی اُمتوں کی رہنمائی کے لیے اس دنیا میں آتے رہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کے لیے یہ نہیں کہا کہ جو تمہاری تابعداری کریں گے اللہ ان سے محبت کرے گا یہ خوش خبری صرف محمد عربی ﷺ کی اُمت کو سنائی گئی جس سے آپ ﷺ کے کامل اور مکمل ہونے کا پتا چلتا ہے۔ شبِ معراج کو اپنے حبیب ﷺ کو آسمانوں پر بلا کر ملاقات کا شرف بخشا جنت دوزخ کی سیر کرانا بھی آپ ﷺ کے کامل ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کسی پیغمبر یا نبی کو یہ شرف نہیں بخشا۔

محمدی ﷺ انقلاب کے حیرت انگیز پہلوؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے پیغام کو قبول کیا اس کی ساری ہستی بدل گئی اس کے ذہن کی ساخت اس کے افکار و جذبات اس کے ذوق اور دلچسپیاں اس کی دوستیاں اور دشمنیاں اس کے اخلاق و معیار سب کے سب بدل گئے چور اور ڈاکو آئے تو دوسروں کے اموال کے نگہبان بن گئے۔ زانی آئے تو دوسروں کی عصمتوں کے رکھوالے ہو گئے، سود خور آئے تو اپنی کمائیاں خدا کے دین اور بندوں کی خدمت کے لیے لٹانے لگے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام انسانیت کے لیے باعث افتخار ہے یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال سے ہر دور کے بڑے بڑے فلاسفر، عظیم مفکرین اور دنیائے فکر کو اپنے افکار سے مزین کرنے والی نامور اور باکمال شخصیات آپ ﷺ کے سامنے دست بستہ کھڑے یہ کہتے دکھائی دیتی ہیں کہ آپ ﷺ ہی وہ انسان ہیں جن کے ساتھ انتساب کو ہم اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ دورِ حاضر میں گمراہی و بربادی کے تمام اسباب کے پائے جانے کے باوجود ہم مسجدوں کے میناروں سے مسلسل اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدُ الرسُولُ اللّٰہ کی صدائیں سن رہے ہیں اور مسلسل اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کیسے روحِ محمدی ﷺ ہر جگہ رفعت و بلندی کے نئے نئے آفاق کھولتی ہے جس کے نتیجہ میں ہم روزانہ پانچ مرتبہ عالم روحانی میں شوق و اشتیاق کے جذبات سے سرشار ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی تمام موجودات کے وجود کا سبب بنی۔ آپ ﷺ ہی کی خاطر ساری کائنات کو پیدا کیا گیا۔ یہ مقولہ زبان زدِ عام ہے کہ آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں افلاک کو

اللہ تعالیٰ پیدا ہی نہ فرماتا ۔ چونکہ سرورِ کونین سید البشر حضرت محمد ﷺ جیسے ایک بلند آہنگ رہبر و رہنما کی ضرورت تھی جو وجودِ کائنات کی حقیقت بتائے اور حضرت انسان "جس کے لیے زمین و آسمان سورج چاند ستارے اور کائنات کو تخلیق کیا گیا ہے" کو بتائے کہ وہ کہاں سے آیا ہے کہاں جائے گا اس کا مقصدِ حیات کیا ہے ۔ اگر آپ ﷺ کی ذات بابرکات نہ ہوتی تو کائنات اور انسان کی تخلیق کا کوئی مقصد باقی نہ رہتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ مکمل ذات ہیں جنہوں نے تمام مخلوق کو زندگی کا مقصد عطا فرمایا ۔

بعض لوگ خاص خاص میدانوں میں صفِ اوّل کے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن زندگی کے دیگر شعبوں میں پچھلی صفوں میں پائے جاتے ہیں میدانِ جنگ کے کامیاب سپہ سالار کو دیکھتے ہیں کہ جنگی فنون میں چاہے اسے کتنی مہارت حاصل کیوں نہ ہو وہ بعض اوقات شفقت، نرم دلی اور فہم و فراست میں ایک معمولی شخص کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ کثرت سے جنگ و قتال میں مصروف رہنے کی وجہ سے اس کے احساسات و جذبات کی لطافت و حساسیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کسی انسان کو قتل کرتے وقت کسی قسم کے رحم کے جذبات محسوس نہیں کرتا ۔ بعض اوقات ایک سیاست دان سیاست کے میدان میں جس قدر کامیاب ہوتا ہے سچائی سے اسی قدر دور رہتا ہے اور بعض اوقات انسانی حقوق کی بھی پاسداری نہیں کرتا ۔ بعض انسان اثباتی فلسفے سے متاثر ہو کر ہر چیز پر تجربات کرنے لگتے ہیں لیکن روحانی اعتبار سے بالکل صفر ہوتے ہیں اور کتنے ہی لوگوں کی عقل ان کی آنکھوں میں آجاتی ہے جس کے نتیجے میں انہیں مادی چیزوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اس سے پتا چلتا ہے کہ بعض لوگ خاص خاص میدانوں میں کامیابی تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن زیادہ شعبوں میں ناکام ہی رہتے ہیں ۔ لیکن رسول اللہ کی شخصیت میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ آپ ﷺ جنگجو ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شفیق بھی تھے ماہر سیاسیات ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بامروت اور باضمیر بھی تھے مادی اور تجرباتی امور کو اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ روحانیات میں اعلیٰ ترین مقامات پر فائز تھے ۔ جنگِ اُحد کے واقعہ میں اس کی بہت سی مثالیں

ملتی ہیں۔اس معرکے میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو نہ صرف شہید کیا گیا بلکہ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے جسم کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔آپ ﷺ کا سر مبارک زخمی ہوا اور دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔لیکن جس وقت آپ کے دشمن آپ ﷺ کو شہید کرنے کے لیے آپ ﷺ پر شدید حملے کر رہے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کی عظیم ہستی ہاتھ اٹھائے اللہ کے حضور گڑگڑا کر یہ دعا مانگ رہی تھی اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ جانتی نہیں۔یہ کس قدر عظیم اور عمدہ شفقت کا ثبوت ہے کہ آپ کے دشمن تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے درپے ہیں اور آپ ﷺ انہیں دعائیں دینے کے لیے اللہ کے حضور گڑگڑا رہے ہیں۔فتح مکہ کے موقع تک آپ ﷺ کے دشمنوں نے ایذا رسانی کا کوئی ایسا طریقہ نہ چھوڑا تھا جو انہوں نے آپ ﷺ پر آزمانہ لیا ہو انہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا مقاطعہ کر کے انہیں گھروں سے نکال دیا اور مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کر دیے مسلمان تین سال تک گھاس جڑی بوٹیاں اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔لیکن اہل مکہ پر کوئی اثر ہوا اور نہ ہی ان کے دلوں میں رحم کے جذبے نے کوئی کروٹ لی۔بدر، اُحد اور خندق کے موقعہ پر خون ریز جنگیں کیں طواف کعبہ جیسے بنیادی حق سے محروم رکھا اور کڑی شرائط پر مشتمل معاہدے کے تحت انہیں گھروں کو لوٹا دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر انعام فرمایا چنانچہ انہوں نے مکہ فتح کیا رسول اللہ ﷺ ایک عظیم لشکر کی قیادت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے بغض و عداوت سے بھری ہوئی اس ساری تاریخ کے باوجود آپ ﷺ جب اپنی سواری پر مکہ میں داخل ہوئے تو ڈھال آپ کے سینہ مبارک پر تھی، تلوار آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی اور تیر آپ ﷺ پشت مبارک پر لٹک رہے تھے لیکن اس جنگی لباس کے تمام تر مظاہرے کے باوجود انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ سر جھکائے ہوئے رحمت اور شفقت کا پیکر بنے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سارے ظلم و ستم سے صرف نظر کرتے ہوئے سب کو معاف کرتے ہوئے فرمایا۔" آج کے دن تم پر کچھ عتاب و

ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے“ آپ ﷺ تدبر اور توکل کے جس مقام پر فائز تھے اس تک کوئی نہ پہنچ سکا اور نہ پہنچ سکے گا۔ نبی رحمت ﷺ کا کامل اور مکمل ہونے کا اعتراف نہ صرف مسلمان ہی کرتے ہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی آپ ﷺ کو دنیا کا کامل ترین انسان سمجھتے ہیں۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے کہ انسانیت اپنے آغاز سے محمد ﷺ کے دور تک اپنے مقدر کی ترقی کا 25% حاصل کر سکی لیکن عہد نبوی میں اس نسبت میں عموداً اضافہ ہوا اور یہ 50% تک پہنچ گئی اور عہد نبوی کے بعد اب تک تمام تر کوششوں کے باوجود یہ نسبت صرف 75% تک بلند ہو سکی ہے۔ ایک اور انصاف پسند محقق ویل (Wahl) لکھتا ہے کہ ہر عظیم انسان اپنے بعد کچھ آثار چھوڑتا ہے نبی، مصلح مجدّد، اور بڑے بڑے حکمرانوں کے اپنے اپنے آثار ہیں لیکن محمد ﷺ کے آثار اس قدر عظیم ہیں کہ ان کا کسی کے ساتھ موازنہ ممکن نہیں۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس وحشت ناک صحرا میں اجڈ اور پسماندہ قوم کی صورت میں مٹی، پتھر اور دھاتیں دیں تا کہ آپ ﷺ ایسے لوگوں سے قیامت تک ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، خالد بن ولیدؓ، عقبہ بن نافع اور طارق بن زیاد رضی اللہ عنہم جیسے خالص سونے کے لوگ تیار کریں۔ ایک تعلیم یافتہ ہندو نے اپنے مسلمان استاد سے گفتگو کے درمیان کہا کہ میں آپ کے پیغمبر ﷺ کو دنیا کا سب سے کامل انسان مانتا ہوں۔ استاد نے دریافت کیا کہ تم کیسے پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان مانتے ہو؟۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے آپ ﷺ کی زندگی میں بیک وقت اس قدر اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان نے دنیا کی تاریخ میں یکجا کر کے نہیں دکھائے۔ مثلاً بادشاہ ایسا کہ پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے آپ کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ اللہ کے قبضہ میں سمجھتا ہو دولت مند ایسا کہ خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہیں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر میں چراغ نہ جلتا ہو اور کئی وقت اس کے فاقے سے گزر جاتے ہوں۔ سپہ سالار ایسا مٹھی بھر نہتے انسانوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو۔ صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش

جان نثاروں کی ہم رکابی کے باوجود صلح کے کاغذات پر بے چون وچرا دستخط کر دیتا ہو۔شجاع ایسا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں اکیلا تنہا کھڑا ہو اور رزم ایسا کہ انسانی خون کا قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔باتعلق ایسا کہ عرب کے ذرّہ ذرّہ کی اس کو فکر،بیوی بچوں کی فکر،غریب اور مفلس کی بھولی ہوئی دنیا کو سدھارنے کی فکر،غرض سارے جہاں کی اس کو فکر۔بے تعلق ایسا کہ اپنے اللہ کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کے لیے بے معنی ہو اپنی ذات کے برا کہنے والوں سے کبھی بدلہ نہ لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا لیکن اللہ کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہ کیا۔عین اس وقت جب لوگ اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارتے ہیں وہ کھجور کی چٹائی کا تکیہ لگائے کھجور کی چٹائی پر بیٹھا نظر آتا ہے۔عین اس وقت جب اطراف عرب سے آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے۔عین اس وقت جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں فاطمہؓ بنت رسول ﷺ اپنے ہاتھوں کے چھالے جو چکی پینے اور کندھوں کے نشان جو مشکیزہ بھر کر لانے سے پڑ گئے تھے دکھا کر ایک غلام کی خواہش کرتی ہیں تو آپ ﷺ اسے واپس موڑ دیتے ہیں عین اس وقت جب آدھا عرب آپ کے زیر نگین آ چکا تھا حضرت عمرؓ دربار نبوت میں حاضر ہو کر کاشانہ نبوت کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ﷺ ایک کھردری چٹائی پر آرام فرما رہے ہوتے ہیں جس سے جسم اطہر پر نشان پڑ گئے ہیں حضرت عمرؓ یہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔سبب دریافت ہوتا ہے تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ اس حالت میں!ارشاد ہوتا ہے اے عمرؓ تم اس بات پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

علامہؒ نے بھی اسی لیے فرمایا ہے۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری　　ہر چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دعوت و تبلیغ کے آداب

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

دعوت وتبلیغ میں حکمت اور سلیقے کا پورا پورا خیال رکھیے اور ایسا طریقہ کار اختیار کیجیے جو ہر لحاظ سے انتہائی موزوں پروقار مقصد سے ہم آہنگ اور مخاطب میں شوق اور ولولہ پیدا کرنے والا ہو قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو"۔

قرآن کی اس جامع آیت سے تین اصولی ہدایات ملتی ہیں:

(1) دعوت حکمت کے ساتھ دی جائے۔ (2) نصیحت عمدہ انداز سے کی جائے۔

(3) مباحثہ (دلائل) بھلے طریقے پر کیا جائے۔

حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ خود آپ کو اپنی دعوت کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا احساس ہو، اور آپ اس گراں بہا دولت کو نادانی کے ساتھ یوں ہی جا، بے جا نہ بکھیریں بلکہ آپ موقع محل کا بھی پورا پورا لحاظ رکھیے اور مخاطب کا بھی۔ ہر طبقے، ہر گروہ اور ہر فرد سے اس کی فکری رسائی، استعداد، صلاحیت، ذہنی کیفیت اور سماجی حیثیت کے مطابق بات کیجیے اور ان اٹل قدروں کو باہمی افہام وتفہیم اور دعوت کی بنیاد بنایئے جن میں باہم اتفاق ہو اور جو قربت وقبولیت کے لئے راہ ہموار کریں۔

عمدہ نصیحت سے مراد آپ اس سوز، خیر خواہی اور خلوص کے ساتھ نیک جذبات کو ابھاریئے کہ مخاطب شوق ورغبت کے جذبات سے سرشار ہو جائے اور دین سے اس کا تعلق محض ذہنی اطمینان کی حد تک نہ رہے بلکہ دین اس کے دل کی آواز، روح کی غذا اور جذبات کی تسکین بن جائے۔

آپ کی تنقید تعمیری ہو، دلسوزی اور اخلاص کی آئینہ دار ہو، اور انداز ایسا دل نشین اور

سادہ ہو کہ مخاطب میں ضد، نفرت، ہٹ دھرمی، تعصب اور حمیت جاہلیت کے جذبات نہ ابھریں بلکہ وہ واقعی کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو، اور اس میں حق کی طلب پیدا ہو، اور جہاں یہ کیفیتیں پیدا ہوتی نظر نہ آئیں آپ اپنی زبان بند کر لیجئے اور اس مجلس سے اٹھ کر چلے آیئے۔

ہر حال میں پورے دین کی دعوت دیجئے اور اپنی سمجھ سے اس میں کاٹ چھانٹ نہ کیجئے۔ اسلام کی دعوت دینے والے کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کے کچھ اجزا پیش کرے اور کچھ چھپائے رکھے۔

حالات کیسے ہی نا سازگار ہوں، داعی کا کام بہر حال یہی ہے کہ وہ دین کو اپنی اصل اور مکمل حالت میں پیش کرے، خدا کے دین میں کمی بیشی اور حالات کے تقاضوں کے تحت اپنی سمجھ سے اس میں تغیر و تبدل بہت بڑا ظلم ہے اور ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی۔ اسلام، اس خدا کا بھیجا ہوا دین ہے جس کا علم پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جو ازل سے ابد تک کا یقینی علم رکھتا ہے اور جس کا نقطۂ نظر غلطی سے قطعاً پاک ہے، جو انسانی زندگی کے آغاز سے بھی واقف ہے اور انجام سے بھی اور جس کی مشیت کے تحت ہی انسانی معلومات میں روز بروز حیرت انگیز وسعت پیدا ہو رہی ہے اور انسانی زندگی میں غیر معمولی ترقیاں رونما ہوتی جا رہی ہیں کسی اور کے لئے تو بھلا کسی کمی بیشی کی گنجائش ہوگی جب کہ خود داعی اوّل کا مقام یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ایک مثالی فرمانبردار کی طرح اس دین کی پیروی کریں اور نافرمانی کے تصور سے لرزتے رہیں۔

دین کو اس حکمت کے ساتھ فطری انداز میں پیش کیجئے کہ وہ غیر فطری بوجھ نہ محسوس ہو اور لوگ بدکنے اور متنفر ہونے کے بجائے اس کو قبول کرنے میں سکون اور راحت محسوس کریں اور آپ کی نرمی، شیریں زبانی اور حکیمانہ طرز دعوت سے لوگ دین میں غیر معمولی کشش محسوس کریں۔

اپنی تحریر، تقریر اور دعوتی گفتگو میں ہمیشہ اعتدال کا اہتمام رکھیے کہ سننے والوں پر اُمید کی کیفیت بھی طاری رہے اور خوف کی بھی۔ نہ خوف پر ایسا مبالغہ آمیز زور دیجئے کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونے لگیں اور اپنی اصلاح اور نجات انہیں نہ صرف مشکل بلکہ محال نظر آنے لگے اور

نہ خدا کی رحمت اور بخشش کا ایسا تصور پیش کیجئے کہ وہ بالکل ہی بے باک اور غیر ذمہ دار بن جائیں اور خدا کی بے پایاں رحمت و بخشش کا سہارا لے کر نافرمانیوں پر کمر باندھ لیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں "بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو (اسطرح دعوت دیتا ہے کہ) خدا سے مایوس نہیں کرتا اور نہ خدا کی نافرمانی کے لئے انہیں رخصتیں دیتا ہے اور نہ خدا کے عذاب سے انہیں بے خوف بناتا ہے"۔

دعوتی کوششوں میں دوام اور تسلسل پیدا کیجئے اور جو پروگرام بنائیں اسے استقلال اور ذمہ داری کے ساتھ برابر چلاتے رہنے کی کوشش کیجئے۔ پروگراموں کو ادھورا چھوڑنے اور نئے نئے پروگرام بنانے کی عادت سے بچیں تھوڑا کام کیجئے لیکن مسلسل کیجئے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جاتا رہے چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو"۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے اور صبر و استقامت دکھایئے۔ قرآن مجید میں ہے کہ

"اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اس راہ میں جو مصائب بھی آئیں ان کو استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہو"۔ (لقمان 17)

راہ حق میں مصائب اور مشکلات کا آنا ضروری ہے، آزمائش کی منزلوں سے گزر کر ہی ایمان میں قوت آتی ہے اور اخلاق و کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا اپنے ان بندوں کو ضرور آزماتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو اپنے دین و ایمان میں جتنا زیادہ پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اسی لحاظ سے سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے" انہیں خوش خبری دیدیجئے۔ ان پر انکے ربّ کی طرف سے عنایات ہوں گی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔ (سورۃ البقرہ 157-155)

حضرت سعدؓ نے نبی کریمﷺ سے پوچھا یا رسول اللہﷺ سب سے زیادہ سخت آزمائش کس شخص کی ہوتی ہے۔آپﷺ نے فرمایا:"انبیاء کی پھر جو دین و ایمان میں ان سے زیادہ قریب ہو اور پھر جو اس سے قریب ہو۔آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے پس جو شخص اپنے دین میں پختہ ہوتا ہے اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور جو دین میں کمزور ہوتا ہے اس کی آزمائش ہلکی ہوتی ہے۔اور یہ آزمائش برابر ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا"۔ (مشکوٰۃ)

نبی کریمﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ کبھی کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کبھی کوئی آدمی اتنا نہیں ڈرایا گیا۔

نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اس کو صبر بخشے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں"۔(بخاری و مسلم)

دراصل آزمائشیں تحریک کو قوت پہنچانے اور آگے بڑھانے کا لازمی ذریعہ ہیں۔ آزمائشوں کی منزلوں سے گزرے بغیر کوئی تحریک کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔بالخصوص وہ تحریک جو عالم انسانی میں ایک ہمہ گیر انقلاب کی دعوت دیتی ہو اور پوری انسانی زندگی کو نئی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا منصوبہ رکھتی ہو۔

جس زمانے میں مکّہ کے سنگ دل لوگ، نبی کریمﷺ اور آپﷺ کے ساتھیوں پر بے پناہ ظلم و ستم توڑ رہے تھے انہیں دنوں کا ایک واقعہ حضرت خباب بن الارتؓ بیان فرماتے ہیں:

"نبی کریمﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے۔ ہم آپﷺ کے پاس شکایت لے کر پہنچے۔یا رسول اللہﷺ! آپﷺ ہمارے لئے اللہ سے مدد طلب نہیں فرماتے۔آپﷺ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا نہیں کرتے۔(آخر یہ سلسلہ کب تک دراز رہے گا اور کب یہ مصائب کا دور ختم ہوگا؟) نبی کریمﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لئے گڑھا کھودا جاتا پھر اس کو اس گڑھے میں

کھڑا کردیا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیرا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چھبوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ خدا کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے اللہ کی یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار (یمن کے دارالخلافہ) صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا نہ لے جائیں لیکن افسوس کہ تم جلدی مچا رہے ہو"۔
(بخاری، مسلم)

بے جا رواداری، مداہنت اور اصولوں کی قربانی دینے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجئے

قرآن میں مومنوں کی تعریف میں کہا گیا ہے: "وہ کافروں پر سخت ہوتے ہیں"۔

یعنی وہ اپنے دین اور اصول کے معاملے میں انتہائی شدید ہوتے ہیں وہ کسی حال میں بھی اپنے اصولوں کے معاملے میں انتہائی شدید ہوتے ہیں وہ کسی حال میں بھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دے سکتے۔ مسلمانوں کو اللہ نے نبی کریم ﷺ کے توسط سے ہدایت دی ہے:

"پس آپ اسی دین کی طرف دعوت دیجئے اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے"۔ اسی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلئے"۔ (الشوریٰ 15)

دین کے معاملے میں مداہنت، بے جا رواداری اور باطل سے مصالحت وہ خطرناک کمزوری ہے جو دین و ایمان کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب بنی اسرائیل اللہ کی نافرمانیوں کے کام کرنے لگے تو ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن وہ نہیں رکے (تو ان کے علماء ان کا بائیکاٹ کرنے کے بجائے) ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے جب ایسا ہوا تو اللہ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور پھر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور اسی میں بڑھتے چلے گئے۔ اس حدیث کے راوی

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے اور ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور ظالم کو حق کے آگے جھکاؤ گے اگر تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو تم سب کے دل بھی ایک ہی طرح کے ہو جائیں گے اور پھر اللہ تمہیں اپنی رحمت اور ہدایت سے دور پھینک دے گا جس طرح بنی اسرائیل کو اس نے محروم کر دیا۔

اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت اور ان کو اقامتِ دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے تیار کرنا آپ کا اولین فرض بھی ہے اور آپ کی سرگرمیوں کا فطرح میدان بھی۔ اس میدان کو چھوڑ کر اپنی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے لئے محض باہر کے میدان تلاش کرنا غیر حکیمانہ اور غیر فطری عمل ہے اور یہ بہت بڑی کوتاہی اور فرار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ قحط کے زمانے میں اپنے گھر والوں کو بھوک پیاس سے نڈھال اور جاں بلب چھوڑ کر باہر کے ضرورت مندوں کو تلاش کر کے غلہ تقسیم کرنے کی فیاضی کا مظاہرہ کریں۔ گویا نہ تو آپ کو بھوک پیاس اور قربت و محبت کا احساس ہے اور نہ غلے کی تقسیم کی حکمت ہی سے آپ کا ذہن آشنا ہے۔ قرآن میں مومنوں کو ہدایت دی گئی ہے: "مومنو! بچاؤ اپنے کو اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے"۔

اور نبی کریم ﷺ نے اسکی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے۔ حاکم نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور شوہر اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے تو تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

اپنے پڑوسیوں اور محلے والوں کی اصلاح و تعلیم کی بھی فکر کیجئے اور اس کو بھی اپنا فریضہ سمجھئے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں کچھ مسلمانوں کی تعریف فرمائی پھر فرمایا:

ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور انہیں دین نہیں سکھاتے اور انہیں دین سے ناواقف رہنے کے عبرتناک نتائج نہیں بتاتے۔ اور انہیں برے کاموں سے نہیں روکتے؟ ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل نہیں کرتے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور دین سے جاہل رہنے کے عبرتناک نتائج معلوم نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم! لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین کی تعلیم دیں ان کے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ انہیں نصیحت کریں ان کو اچھی باتیں بتائیں اور ان کو بری باتوں سے روکیں نیز لوگوں کو چاہیے کہ لازماً اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ پیدا کریں اور ان کی نصیحتوں کو قبول کریں ورنہ میں انہیں بہت جلد سزا دوں گا پھر آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور تقریر ختم فرما دی۔

سننے والوں میں سے بعض لوگوں نے دوسروں سے پوچھا یہ کون لوگ تھے جن کے خلاف نبی کریم ﷺ نے تقریر فرمائی؟ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کا روئے سخن قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف تھا۔ یہ لوگ دین کا علم رکھنے والے لوگ ہیں اور ان کے پڑوس میں چشموں پر رہنے والے دیہاتی اجڈ لوگ ہیں۔ جب اس تقریر کی خبر اشعری لوگوں کو پہنچی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی اور ہمارے اوپر غصہ فرمایا تو فرمایئے ہم سے کیا قصور ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں وعظ نصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں اور بری باتوں سے روکیں، اسی طرح لوگوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل کریں، ان کی نصیحتوں کو قبول کریں اور اپنے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں ورنہ میں بہت جلد ان لوگوں کو دنیا میں سزا دونگا"۔ یہ سن کر قبیلہ اشعر کے لوگوں نے کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم دوسرے لوگوں میں سمجھ پیدا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا" جی ہاں یہ تمہاری ذمہ داری ہے"۔ تو یہ لوگ بولے حضور ﷺ ہمیں ایک سال کی مہلت دیجئے چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت دی جس میں وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دینی

سمجھ پیدا کردیں ۔اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

"بنی اسرائیل کے کفر کرنے والوں پر لعنت اس لئے کی گئی کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور برابر خدا کے احکام توڑتے چلے گئے ۔یہ آپس میں ایک دوسرے کو بری باتوں کے کرنے سے نہیں روکتے تھے ۔بلاشبہ ان کی یہ حرکت انتہائی بری تھی"۔

جن لوگوں کے درمیان آپ دعوت وتبلیغ کا خوشگوار فریضہ انجام دے رہے ہوں ،ان کے مذہبی معتقدات اور جذبات کا احترام ولحاظ کیجئے ۔نہ ان کے بزرگوں اور پیشواؤں کو برے نام سے یاد کیجئے ، نہ ان کے مذہبی نظریات کی تحقیر کیجئے ۔مثبت انداز میں حکمت کے ساتھ اپنی دعوت پیش کیجئے اور تنقید میں بھی مخاطبین کو بھڑکانے کے بجائے نہایت دل سوزی کے ساتھ ان کے دل میں اپنی بات اتارنے کی کوشش کیجئے اس لئے جذباتی تنقید اور توہین آمیز گفتگو سے مخاطب میں کسی خوشگوار تبدیلی کی توقع نہیں ہوتی ۔البتہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں حمیت جاہلیت اور تعصب کے ہیجان میں وہ اللہ اور دین کی شان میں گستاخی کرنے لگے اور دین سے قریب آنے کے بجائے وہ اور زیادہ دین سے دور ہو جائے ۔

داعی الی اللہ بن کر دعوت کا فریضہ انجام دیجئے ۔اللہ کے بندوں کو اللہ کے سوا کسی اور چیز کی طرف ہرگز نہ بلایئے نہ کسی جماعت کی طرف ،مومن کا نصب العین صرف اللہ کی رضا ہے اسی نصب العین کی طرف دعوت دیجئے اور یہ یقین پیدا کرنے کی کوشش کیجئے کہ بندے کا کام محض یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی بندگی کرے ،اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور خانگی زندگی میں بھی سماجی زندگی میں بھی اور ملکی معاملات میں بھی غرض پوری زندگی میں اپنے مالک اور پروردگار کے کہنے پر چلے اور اس کے قانون کی مخلصانہ پیروی کرے ۔مومن جب بھی اللہ کی ہدایت سے منہ موڑ کر اللہ کی رضا کے سوا کسی اور چیز کو اپنا نصب العین قرار دے گا دونوں جہان میں ناکام و نامراد ہوگا۔

"اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں اللہ کا فرمانبردار اور مسلم ہوں"۔ (القرآن)

اصلاح باطن: رشوت سے پرہیز

(حافظ محمد ہارون)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے رشوت کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے لیکن اس شخص پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو ان دونوں کے درمیان آلہ کار بنے۔ اگر چہ دلال نے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا ہو۔ لیکن وہ رشوت کے معاملے میں معاونت کرتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اتنا ہی مجرم ہے جتنے کہ لینے اور دینے والے ہیں اور اس کا بھی وہی حال ہوگا۔ جو راشی اور مرتشی کا ہوگا۔

رسول پاک ﷺ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا ہے کہ رشوت موجب لعنت ہے۔ لعنت سے مراد اللہ کی رحمتوں، بخششوں اور کرم نوازیوں سے دوری ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کو اپنا مصاحب بنائے، خلعت شاہی سے نوازے تو اس کی کتنی خوش نصیبی ہے لیکن ساتھ ہی تاکید کر دے کہ فلاں کام نہ کرنا اور واضح بھی کر دے کہ اس کام میں اگر تم نے میرے حکم کی نا فرمانی کی تو میں تمہیں اپنے دربار سے نکال دوں گا، اپنی قربت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دونگا۔ اس کے بعد اگر وہ شخص چوری چھپے یا ظاہراً وہ کام کرے اور بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ اس نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے تو لامحالہ اس شخص کو ہمیشہ کے لئے دربار سے نکال کر اپنی مصاحبت سے محروم کر دے گا۔ راندہ دربار ہونا، قربت سے دوری، اعزازات سے محرومی، لعنت کہلائے گی۔ ایسے ہی راشی اور مرتشی چونکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے، چنانچہ اللہ اسے اپنی رحمت سے نکال کر دور پھینک دیتا ہے۔ رحمت سے دوری، دنیا کی ذلت اور آخرت کا عذاب ہے۔

اللہ کی لعنت کبھی مال و زر کی صورت میں آزمائش بنتی ہے، کبھی مبتلائے فتنہ کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو جہالت سے برا کام کر بیٹھیں اور اس کے بعد توبہ کر لیں تو ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

یہ معافی صرف حقوق میں ملتی ہے، حقوق العباد میں نہیں، یوں تو توبہ گناہوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے ریاء نیکیوں کو۔ مگر حقوق العباد کے سلسلے میں زبانی توبہ موثر نہیں ہوئی۔ اس کیلئے عملی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن جن ناجائز ذرائع سے مال حاصل کیا گیا ہو، یا جن جن کا مال ناجائز ذرائع سے کھایا گیا ہو۔ ان کو ان کا مال یا اس کی قیمت ادا کی جائے یا ان سے ان کا حق معاف کرایا جائے۔ رشوت کی توبہ یہ ہے کہ جن سے رشوت حاصل کی گئی ہے ان کو واپس کی جائے اگر ان کا پتہ نہ ہو یا بہت کوشش کے باوجود ان کا پتہ نہ چل سکے کہ وہ کہاں رہتے ہیں تو جتنا روپیہ یا مال جس جس سے لیا تھا اسی قدر روپیہ یا مال، اصل مالکان کی طرف سے خیرات کر دیا جائے تاکہ آخرت کے مواخذہ سے بچ جائے، یہاں تک کہ اگر کوئی مر جائے اور اس کی کمائی بیچ باطل یا ظلم یا رشوت وغیرہ کی ہو تو وارثوں کو اس سے بچنا چاہیے۔ اس میں سے کچھ نہ لینا چاہیے، ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان مالوں کو ان کے مالکوں کو واپس کر دیں۔ اگر ان کو معلوم کر سکیں، ورنہ خیرات کر دیں۔ کیونکہ جب واپس کرنا دشوار ہو تو حرام کمائی کو خیرات کر دینا ہی اس کا طریقہ ہے اس بہانہ سے کہ اب کچھ یاد نہیں کہ کس کس سے کتنا کتنا لیا تھا، چھٹکارا نہیں ہوگا۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جس قدر یاد آئے اس سے کچھ زائد خیرات کر دیا جائے تاکہ گناہ و عذاب کا شبہ ہی نہ رہے۔ مگر اس کا خود استعمال کرنا حلال نہ ہوگا ایسا کرنے سے ہوسکتا ہے کہ اللہ وہ خیرات کفارہ کے طور پر قبول کر لے لیکن آئندہ رشوت لینے سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لے اور سابقہ کئے پر استغفار کرے۔

رشوت کی گرم بازاری اور اس کی ہولناکی:

قرآن مجید میں جگہ جگہ کسب حلال کا حکم دیا ہے اور آپس کے اموال کو غلط طریقہ پر کھانے سے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے، سورہ النساء میں ارشاد ہے:

"یعنی آپس میں اپنے اموال کو باطل طریقہ پر مت کھاؤ"۔ باطل طریقے پر کھانے کی کئی صورتیں ہیں جن میں سے ایک طریقہ رشوت خوری کا بھی ہے۔

رشوت کا لین دین انسانی معاشرہ کیلئے گھن کی حیثیت رکھتا ہے ایک مجبور اور بے کس انسان اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے رشوت دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور رشوت لینے والا اسے شیریں مادر (ماں کا دودھ) کی طرح ہضم کر جاتا ہے۔ رشوت خور کو غور کرنا چاہیے کہ اگر میں اس بے کس کی جگہ ہوتا اور مجھ سے رشوت طلب کی جاتی تو میرے نفس پر کس قدر شاق گزرتا، جو حال میرا ہوتا وہی اس عاجز و بے کس کا حال ہے۔ ضرورت مند کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا شرافت انسانی کے خلاف ہے اور جذبات ایمانی کے بھی منافی ہے، سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ:

خبردار! کسی کا مال اس کے نفس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ایک شخص کسی منصب پر فائز ہے اسے بحیثیت اپنے عہدہ کے عوام و خاص کے کام انجام دینا چاہیے۔ ایک شخص اپنی حاجت لے گیا اس کا کام محکمہ کے سپرد کردہ ذمہ داری کی وجہ سے کرنا تھا لیکن صاحب منصب نے اس سے قلیل یا کثیر رقم لے کر اس کا کام کیا اور اپنی تنخواہ علیحدہ وصول کر لی۔ یہ رشوت کی ایک صورت ہے اس میں جہاں اپنے بھائی کا مال بے جا طریقہ پر حاصل کیا وہاں محکمہ کی بھی خلاف ورزی کی۔

مال حرام ملا، اللہ کے نزدیک سخت گنہگار ہوا اور بندوں کے نزدیک مذموم ہوا۔ جب رشوت کا سلسلہ چلتا ہے تو اپنے محکمہ کی خیانت بھی کرنی پڑتی ہے کیونکہ محکمہ کے جن قواعد و ضوابط کے مطابق کام کرنا تھا، پیسہ لینے کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کی جاتی ہے مثلاً کسی شخص کی صلاحیت ایسی نہیں ہے کہ اسے اپنے ماتحت اسٹاف میں جگہ دی جائے مگر رقم کے سامنے نظر نیچی ہو جاتی ہے، حریص نفس مال کو دیکھتا ہے اور صلاحیت والے محروم ہو جاتے ہیں، ایسا کرنے سے محکمہ کا کام بھی خراب ہوتا ہے اور یہ رشوت خور جس نے نا اہل کا تقرر کیا نہ صرف اپنے محکمہ کا بلکہ پورے ملک و ملت کا خائن ہوا۔

شریعت اسلامیہ میں رشوت لینا اور دینا بلکہ لینے اور دینے والے کا واسطہ بننا سخت جرم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ کی رحمت سے دور ہے جو رشوت دے اور رشوت لے اور اس پر

جو واسطہ بن کر ان کے درمیان آنا جانا کرے"۔ جو رشوت دیتا ہے وہ بھی اسلئے مجرم ہے کہ رشوت کے ذریعے وہ ناحق کا حقدار بن جاتا ہے اور اصول وقواعد کے مطابق جو مال یا کسی طرح کا حق کسی واقعی حقدار کو پہنچانا ہے اس کو محروم کردینے کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ ظلم کی ایک قسم ہے۔

جس شخص سے رشوت طلب کی جائے وہ رشوت دے کر رشوت لینے والے کا مددگار بن جاتا ہے اور اپنی غرض کی وجہ سے دب جاتا ہے، جب معاشرہ میں اس کا رواج ہو جائے تو اس کو قومی اور اجتماعی سزا دی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے یعنی جس قوم میں رشوت کا رواج ہو جائے اس کی گرفت رعب کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ (بحوالہ مسند رواہ احمد)

مطلب یہ ہے کہ رشوت کی وجہ سے فطری اور تکوینی طور پر قلب میں مرعوبیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، نہ حق کہہ سکتے ہیں اور نہ حق کا بول بالا کر سکتے ہیں ان کو دشمنوں کا خوف کھا جاتا ہے شجاعت و دلیری کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

بہت سے رشوت خور یہ سمجھتے ہیں کہ رشوت دینے والا خوشی سے دیتا ہے، ہم ڈنڈا مار کر وصول نہیں کرتے، لہٰذا یہ عطیہ ہوا رشوت نہ ہوئی ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے اور بہت بڑی خود فریبی ہے جب کہ کسی شخص کو یقین ہو جائے کہ جس شخص سے کام متعلق ہے کچھ لئے بغیر یہ میرا کام نہ کریگا یا تاخیر کرے گا، زیادہ دن دوڑائے گا تو اس مصیبت سے بچنے کے لئے وہ رشوت دینے کے لئے راضی ہو جائے گا یہ دل کی رضامندی نہیں ہے اور شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

راشی کا مطلب ہے رشوت دینے والا لیکن کثنا یہ حرف غلط مشہور ہو گیا ہے کہ آج لوگ رشوت لینے والے کو راشی کہتے ہیں مرتشی کا مطلب ہے رشوت لینے والا لیکن یہ لفظ عام بول چال (یا عامہ الناس کے مابین گفتگو) میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

رشوت کے لغوی معنی ہیں ناجائز نذرانہ جو نقدی، جنس یا کسی اور شکل میں (بغیر حق کے) ناجائز طور پر حاصل کر کے کسی کا ناجائز کام کیا جائے یا کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے مقدمہ کے گواہ یا حاکم کو دی جائے۔

رشوت کی ایک سیاسی قسم بھی ہے وہ یہ کہ جابر یا مطلق العنان حکمران بعض نا اہل (مگر مالی یا سیاسی طور پر طاقتور یا خوشامدی یا اپنے منظورِ نظر نا لائق) لوگوں کو روپیہ یا جاگیر دے کر یا کسی اعلیٰ منصب پر فائز کر کے اپنا حامی بنائیں رشوت کی عمومی صورت وہ ناجائز مفاد ہے جو اپنے اعزاز، منصب یا عہدے کی بنیاد پر استحقاق کے بغیر حاصل کیا جائے اور اس عہدے یا منصب پر فائز ہوئے بغیر جس کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ رشوت لینے اور دینے کی اور بہت سی صورتیں بھی ہیں بہر صورت رشوت نام ہے جھوٹ، فریب، مکر، بے ایمانی، خیانت اور جعلسازی سے کام لے کر دوسروں کے حق مارنے کا۔ یہ حق دوسرے انسانوں (اپنے بھائی بندوں) کا بھی مارا جاسکتا ہے اور حکومت کا بھی (اپنے فرائضِ منصبی کی مٹی پلید کر کے)۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں اس قبیح دھندے سے منع فرمایا ہے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے (باالفاظ دیگر جھوٹ بول کر یا ہیرا پھیری کر کے دوسروں کا مال مت ہضم کرو اور تم جانتے ہی ہو (کہ اگر تمہارا مال دوسرے اس طرح کھانے لگیں تو تمہیں کتنا ناگوار گزرے)۔

خاتم الانبیاء والمرسلین ہادی اکرم ﷺ کو اس فعل قبیح (رشوت) سے اس قدر نفرت تھی کہ آپ ﷺ نے اس کے لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر۔ اسی طرح روایت حضرت ابو ہریرہؓ آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حاکم کو رشوت دینے والے پر اور اس حاکم پر بھی جو رشوت لے۔

سرورِ عالم ﷺ نے حکومت کے اہلکاروں (ملازموں) کو عوام سے کسی قسم کے تحفے لینے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ یہ تحفے ان کو ان کے منصب یا عہدے کے لحاظ سے پیش کئے جاتے ہیں

اس لئے یہ رشوت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم میں سے جو شخص اس قسم کے تحفے قبول کرے گا قیامت کے دن یہ تحفے اس کی گردن سے چمٹے ہوں گے، اگر اس نے تحفہ میں اونٹ لیا ہے تو اس پر سوار بلبلاتا سنائی دے گا، گائے لی ہے تو وہ گردن سے چمٹی ہوگی اگر بکری لی ہے تو وہ گردن سے چمٹتی ہوئی ممیا رہی ہوگی

اس کے بعد حضور ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: "یا اللہ تو گواہ رہیو! میں نے انہیں تیرا حکم سنا دیا ہے"۔ "یا اللہ تو گواہ رہیو! میں نے انہیں تیرا حکم سنا دیا ہے"۔ دو مرتبہ حضور ﷺ نے یہ الفاظ دہرائے۔

آنحضور ﷺ نے کسی کی سفارش کرنے کے عوض بھی تحفہ لینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے اور وہ (جس کی سفارش کی گئی) سفارش کے بدلے میں سفارش کرنے والے کو کچھ تحفے بھیجے اور وہ قبول کر لے تو وہ گویا سود کے دروازوں میں ایک بڑے دروازے سے داخل ہوا۔ (بحوالہ ابو داؤد)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو یہود خیبر کی طرف غلہ کی بٹائی وصول کرنے کے لئے بھیجا (یعنی فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا) یہود خیبر نے اپنی عورتوں کے زیور جمع کر کے عامل (حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ) کو بطور تحفہ پیش کئے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر زیور قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میرے لئے یہ مال حرام ہے اور ہم لوگ حرام نہیں کھا سکتے۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں عدالتیں قائم کیں تو رشوت ستانی کے انسداد کے لئے کئی تدابیر اختیار فرمائیں مثلاً قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ مقرر کیں تا کہ وہ معاشی اعتبار سے آسودہ رہیں اور انہیں اپنی آمدنی بڑھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ انہوں نے یہ قانون بنایا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو اسے قاضی مقرر نہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کا ایک دوست ہر سال ان کے لئے اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ شخص ایک مقدمہ میں فریق بن کر حاضر ہوا اور عرض کیا۔"امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا فیصلہ اس طرح کیجئے جیسے اونٹ کی ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں"۔

حضرت عمر بات کی تہہ تک پہنچ گئے اسی وقت تمام عمال کو تحریری فرمان بھیجا کہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنا (خواہ یہ کسی ذاتی دوست کیطرف سے ہو) کہ (صاحب اختیار کے لئے) ہدیہ (قبول کرنا) رشوت لینے کے مترادف ہے۔

حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل مقرر فرماتے تو اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تو اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھوا دیتے تھے۔ اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ عتبہ بن ابی سفیان کو ایک علاقے کا گورنر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے مال و دولت میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے ان کو بلا کر باز پرس کی کہ تمہیں اتنا مال کہاں سے حاصل ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ مال میں اپنے گھر سے لے کر گیا تھا اور اس کے بعد میں نے تجارت کے ذریعے مال جمع کیا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے تمہیں عامل حکومت بنا کر بھیجا تھا، تاجر بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ تجارت اور گورنری جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب فالتو سرمایہ بیت المال میں جمع کرو"۔

اس طرح مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ ان کے مال و اسباب میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو لکھا:

" اے عمرو! جب تمہیں مصر بھیجا گیا تھا اس وقت تمہاری حالت اور تھی مگر اب تمہارے پاس اسباب غلام اور مویشی جو اس قدر جمع ہو گئے، کہاں سے آ گئے"۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے جواب میں لکھا "مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے اس لئے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے وہ اس قدر محتاط تھے کہ اپنے حکام کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ کے سلسلے میں اس بات کا ذرا سا بھی

امکان ہوتا کہ اس اضافہ کے سبب کسی خلاف اصول طریقے کا استعمال بھی ہوسکتا ہے تو وہ فالتو (اضافی) رقم یا مال اسباب ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیتے تھے یا عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن عاص کا اضافی مال اسباب وغیرہ مسلمانوں میں تقسیم کرا دیا۔

مشہور مصنف مولانا ابو یحییٰ اپنی کتاب "قرآنی دستور حیات" میں اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں یہ تمام اموال رشوت تو نہ تھے بلکہ لوگوں نے ہدیہ پیش کئے ہوں گے یا تجارت وزراعت کے ذریعے سے ان عمال نے جمع کئے ہونگے مگر چونکہ حاکم اعلیٰ کی برتری لوگوں کو ہدیہ دینے پر مائل کرتی ہے اور تجارت وزراعت میں بھی لوگ انکو دوسروں پر محض ان کے حاکم ہونیکی وجہ سے ترجیح دیتے ہیں اس لئے یہ بھی ایک قسم کی رشوت بن جاتی ہے اسلئے حضرت عمرؓ نے ایسا کیا اور بالکل بجا کیا"۔ (بحوالہ قرآنی دستور حیات صفحہ 291)

غیر اسلامی نظام حکومت میں آدمی اپنے جائز کام کے لئے بھی حکومت کے اہلکاروں کو نذرانہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے (اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے کام میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے جاتے ہیں) ایسی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے مولانا جلیل احسن ندوی اپنی کتاب "راہ عمل" میں لکھتے ہیں۔ رشوت اس رقم کو کہتے ہیں جو دوسروں کا حق مارنے کیلئے حکومت کے کلرکوں اور افسروں کو دی جاتی ہے۔ رہی وہ رقم جو اپنے جائز حق کی وصولیابی کیلئے باطل نظام حکومت کے بے ایمان کارندوں کو دل کی پوری نفرت کے ساتھ اپنی جیب سے نکال کر دینی پڑتی ہے جس کے بغیر اپنا حق نہیں نکلتا اس کی وجہ سے یہ مومن اللہ کے یہاں نہیں دھتکارا جائیگا۔ ان شاءاللہ ایسے حالات شدید تقاضا کرتے ہیں کہ خدا کا دین غالب اور حکمران ہو"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر اسلامی حکومت میں ایک سچا مسلمان اپنے جائز کام کے لئے بھی بعض اوقات حکومت کے بے ایمان ملازموں کو رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن ملازمین حکومت اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کو ہر حالت میں رشوت (خواہ یہ کسی بھی صورت میں ہو) لینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عزم-ترقی وکامیابی کیلئے مؤثر ہتھیار

(ملک زوّار حسین)

اللہ کریم نے انسان کے اندر ایک غائبانہ طاقت عطا کر رکھی ہے جو ہمارے حکم مانتی ہے اور ہمارا رُخ زندگی کی بلندیوں اور پستیوں کی طرف موڑتی ہے۔اس غائبانہ طاقت کو ہم **عــزم** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔جس کام کے متعلق ہم عزم صمیم، یقین کامل اور اعتماد رکھیں، دماغی کیفیات ضرور اسے تکمیل تک پہنچا دیتی ہیں۔توقعات کی تیزی خود ہی وہ طاقت پیدا کر دیتی ہے جو کامیابی حاصل کرنے میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ہماری دماغی قوتیں ان مقاصد کو جن کے حصول کیلئے "**دل**" چاہتا ہے ایک نمونہ یعنی تصویر کی شکل میں پیش کرتی ہیں اور دل و ذہن اس نمونے کو عزم و دیگر تعمیری طاقتوں کی مدد سے حقیقت کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ جو شخص توقعات کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے اور اپنی منزل مقصود کے حاصل کرنے میں عزم صمیم رکھتا ہے اگر اس کے راستے میں مشکلیں بھی آ جائیں تو وہ تمام کو عبور کرتا چلا جاتا ہے۔حالانکہ یہ مشکلات ایک کمزوری اور بے دل فرد کیلئے دشمن بن کر ناکامی کا باعث ہوتی ہیں۔

انسانی جسامت اور جسمانی قوت **عــزم** سے خاص تعلق نہیں رکھتیں۔عزم حاصل ہے ایک بہترین انداز میں منظم شخصیت کا۔ایک ایسا آدمی جو عزم کا مالک ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا نصب العین و مقصد حیات کیا ہے وہ ہمیشہ انہیں سامنے رکھتا ہے جس کیلئے وہ اپنی توانائیوں کو منظم کرتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ عزم ایک ایسی خوبی ہے جو بعض لوگوں کو پیدائشی طور پر عطا ہوتی ہے بلکہ یہ خود پیدا کردہ خوبی ہے اور اس کا سرچشمہ بہترین انداز میں منظم وہ تلاش و کاوش ہے جو اعلیٰ نصب العین کے حصول کیلئے کی جاتی ہے۔جو لوگ اپنی قوت بازو اور ذہنی طاقت کے نتیجہ میں قدم بڑھانے کا عزم رکھتے ہیں وہ اپنی کلائی پر باندھی ہوئی گھڑیوں پر نظر نہیں رکھتے اور ان کا دھیان اُن لوگوں سے مختلف ہوتا ہے جو دولت اکٹھی کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ذاتی محنت پر انحصار

کرنے والے افراد خود کار متحرک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہی نئی نئی ایجادات کر کے نہ صرف دولت اپنے اور ملک کیلئے پیدا کرتے ہیں بلکہ دوسروں کیلئے مشعل راہ بھی بنتے ہیں۔

انسانی نفسیات کے نا قابل تسخیر پہلوؤں میں بلند ترین برج پختہ ارادہ پاسبان انسانی کا معمار ہے۔ عزم محکم، منزل کا تعین اور آپ کا ارادہ آپ کو بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ کامیابی کسی کی میراث نہیں ہے، ہر شخص کے حصہ میں آ سکتی ہے جو منفی خیالات کو جھٹک کر اور منزل پر پہنچنے کی لگن اور جد و جہد کا پختہ ارادہ کر لیں، پہاڑ کی طرح مضبوط رہ کر انسان بڑے سے بڑا کام بھی بخوبی کر سکتا ہے۔ عزم ہی وہ اصل ہتھیار ہے جو افراد کو سرخرو کرتا ہے۔

ایک ثابت قدم انسان کو کوئی چیز شکست نہیں دے سکتی، نہ زمانے کا تمسخر اس کا سدِ راہ ہو سکتا ہے۔ نہ لوگوں کی آوازیں، نہ تحریری الزامات، نہ افلاس اس کی دل شکنی کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی بدقسمتی اس کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ ہر مصیبت جو اس کی راہ میں آتی ہے وہ اس کو عبور کرتا ہوا اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ منزل مقصود پر مردانہ وار نگاہ رکھیں اور ثابت قدمی سے اس تک پہنچنے کی کوشش کریں، ہمت کریں گے تو آپ کیلئے دنیا ہی نئی ہو جائے گی۔ آپ ہر چیز کو جس طرح دیکھیں گے محسوس کریں گے اسی سے اپنی کامیابی کا اندازہ لگا لیں گے۔

ایک صاحب جنہوں نے مختلف پیشوں کے کامیاب ترین افراد کی زندگیوں کا طویل مطالعہ کیا ہے بتایا ہے کہ اس نے ان افراد میں ایک قدر مشترک پائی ہے اور وہ ہے **قوت عزم**۔ یاد رکھئے! کامیاب ترین افراد کو بھی ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے مگر وہ اپنے مضبوط عزم سے کام لے کر بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ آپ ایک ہی جست میں کسی عمارت کی پانچویں منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ زینہ زینہ ہی آپ منزلیں طے کر سکتے ہیں۔ کامیاب ترین افراد مسلسل ناکامیوں سے لڑتے رہے وہ ایسے مقامات پر بھی نہیں گھبراتے جہاں عام آدمی یقیناً ہمت ہار بیٹھتا ہے۔

اپنے ارادے و عزم کو بلند رکھیے اور اپنے عزائم کو صالح بنائیے اور ان پر عمل درآمد کی کوشش کیجئے، محض عزم باندھنے اور عمل نہ کرنے سے دنیا میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ مسائل و مشکلات

سے ڈرنا نہیں چاہیے یہ تو انسان کو بنانے کیلئے آتی ہیں۔ناکامیوں اور اندھیروں سے گھبرانا نہیں چاہیے یہ تو ستاروں کی چمک کے اظہار کیلئے ضروری ہیں۔شاہراہ حیات پر جب سرخ سگنل آئے تو اسے ناکامی مت سمجھئے اور سبز سگنل کا انتظار کیجئے۔ان لمحوں میں قوت جمع کرنے کی کوشش کیجئے۔ مشکلات ہمیشہ نہیں رہتیں، یہ تو قربِ خداوندی کا باعث ہوتی ہیں جن سے مت گھبرایئے اور پُر عزم ہوکر اپنے مقاصد حیات حاصل کیجئے۔کم ہمتی اور شکایت کے لہجے میں کام کرنا بداخلاقی کا نمونہ ہے۔آپ تہیہ کرلیں جو کام بھی کریں گے اپنی پوری طاقت وعزم اور یقین سے کریں گے۔ اور فاتحانہ انداز میں دل لگا کر کریں۔ہمیشہ اپنے آپ کو یاد کراتے رہیں کہ آپ کو زندگی کے دفتر میں کوئی نکموں اور کام چوروں کی فہرست میں نہ لکھ دے۔ادھورا کام کرنے کی عادت ترک کردیں۔

جب آپ ثابت قدمی سے اور پُرعزم، پُراُمید ہوکر منزل کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور مثبت سوچ اپناتے ہیں تو اس سے پیغامات تحت الشعور میں سرائیت کر کے طاقت کا منبع بن جاتے ہیں۔جب آپ باآوازِ بلند اپنے کسی عزم کا اظہار کرتے ہیں تو اس سے آپ کے جذبات کو تقویت ملتی ہے۔کامیابی کا انحصار آپ کے اندازِ فکر و سوچ پر منحصر ہوتا ہے۔جب اندازِ فکر و سوچ اس طرح کا ہو کہ کچھ بھی ہو اپنا کام خوش اسلوبی سے نبھالیا جائے گا تو اندرونی طور پر طاقت پیدا ہوتی ہے جو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔اپنے ذہن میں مثبت خیالات و مقاصد کو اختصار سے دہراتے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کے اندر کام کرنے کا بے پناہ جذبہ، ایک کشش انگیز آرزو جس کو آپ کی قوت فیصلہ اور آپ کی ذات منظوری دے چکی ہو، وہ کام آپ کر سکتے ہیں تو فوراً کر دیجئے۔ہر کام کرنے کا اصلی وقت وہ ہوتا ہے جب روح بیدار ہو اور جب وہ ہم پر گہرا نقش جما دے۔ہر التواء ارادہ کو وقت کے ساتھ کمزور اور ہلکا کر دیتی ہے۔جب آرزو اور خواہش تازہ ہوتی ہے تو وہ طاقتور بھی ہوتی ہے اور جوش و ہمت کا پیدا ہونا آسان ہوتا ہے۔لیکن جب اس کوئی بار ملتوی کرتے جائیں تو ہمارے وہ رجحانات اور قربانیاں جو اپنے مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں

کم ہوتے جاتے ہیں کیونکہ وہ پہلی طاقت کی طرح تیزی سے ہمیں نہیں اُبھارتے۔ اپنی آرزو کو ٹھنڈا نہ ہونے دیں، پکا ارادہ کرلیں کہ جب تک اپنا مقصد پوری طرح حاصل نہ کرلو گے کبھی زندگی بھر آرام نہ کرو گے۔ اپنی ہمت کو مجتمع کر کے بلند کریں اور اپنے حقیقی مقصد کی طرف دوڑیں۔

جب قدرت ایک فرد کو کسی مقام پر پہنچانا چاہتی ہے تو وہ ایسی آواز اس کے اندر پیدا کردیتی ہے جس سے وہ روگرداں نہیں ہوسکتا۔ یہ آواز اس کے ہر رگ و ریشہ میں اور خون کے ہر ذرے میں موجود ہوتی ہے اور وہ اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اور وہ چیز اس کی زندگی کو نمایاں بنا دیتی ہے۔ یہ احساس ہوتا ہے کہ اس نے کوئی کام کرنا ہے اور ہر صورت کرنا ہے۔

کسی اعلیٰ مقصد کا خیال انسان میں وہ جذبہ اور جوش پیدا کردیتا ہے جو اس کو صاف اور صحیح راستہ سے آگاہ کردیتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیں! کامیابی کی کلید عزم ہے۔ کامیابی سے پیشتر کچھ افراد کو عارضی ناکامیوں کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ ایک کم ہمت کم قوت ارادی والا فرد دل برداشتہ ہوکر عارضی ناکامیوں کے نیچے دب جاتا ہے اور شکست تسلیم کر کے آگے قدم بڑھانے سے ڈرتا ہے اور گریز کرتا ہے لیکن پُرعزم فرد اپنی ناکامیوں کو عارضی رکاوٹ اور کامیابی کی بنیاد کی خشت اوّل سمجھ کر مزید ہمت اور استقلال سے محنت کر کے اپنا مقصد حیات پالیتا ہے۔

کامیابی ہمیشہ ناکامیوں کے بعد آتی ہے۔ اس دنیا میں فتح صرف اس شخص کیلئے ہے جو شکست کو مان لینے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے اور ناکامی کا اعتراف ہی کامیابی کی اصل قیمت ہے جو لوگ یہ قیمت ادا نہ کریں وہ کبھی اس دنیا میں کامیابی کی منزل کو نہیں پہنچ سکتے۔ انسان پر ہر شکست کا حادثہ گزرنا اس کے تمام اندرونی تاروں کو چھیڑنے کے ہم معنی ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام احساسات جاگ اُٹھتے ہیں، اس کی چھپی ہوئی طاقتیں اپنی ناکامی کی تلافی کیلئے حرکت میں آجاتی ہیں اس کے اندر ہاری ہوئی بازی کو دوبارہ جیتنے کا وہ بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اسے آگے بڑھاتا ہے۔ اس کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا حتیٰ کہ پتھریلی چٹانوں کے بس میں بھی نہیں۔

انسان کے اندر عام حالات میں بے شمار صلاحیتیں سوئی رہتی ہیں، وہ بیدار اس وقت ہوتی ہیں جب ان کو جھٹکا لگے جب وہ عمل میں آئیں۔ کسی بھی مقام پر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ جن خاندانوں میں آسودگی کے حالات آجاتے ہیں اس کے افراد بے حس اور کم عقل ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس جن خاندانوں کو مشکل حالات گھیرے ہوئے ہوں ان افراد میں ہر قسم کی ذہنی صلاحیتیں زیادہ اُجاگر ہوتی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انہی لوگوں نے بڑی بڑی کامیابیاں اور ترقیاں حاصل کیں جو حالات کے دباؤ میں مبتلا تھے قدرت کا یہی قانون افراد کیلئے ہے اور یہی قانون قوموں کے لئے بھی۔

اللہ تعالٰی نے انسان کو بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں انہیں میں ایک صلاحیت یہ بھی ہے عین بربادی کے کھنڈر میں کھڑا ہو کر بھی وہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی نئی تعمیر کا منصوبہ سوچتا ہے اور بہت جلد اپنے نقصانات کی تلافی کر لیتا ہے۔ حادثہ کا شکار ہونے پر ہمیں ماتم اور شکایت میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے آپ کو دوبارہ اُٹھانے کی کوشش میں لگ جانا چاہیے، پھر زندگی کے ایک نئے شاندار باب کا آغاز ہوجائیگا۔

مقصد بلند ہونا چاہیے اور ہمت، محنت اور عزم سے بھاپ کی طرح گاڑی کو کھینچنا چاہیے ہر طاقتور زندگی کیلئے طاقتور جذبہ دعزم درکار ہے۔ جو لوگ کمزور عزم سے اپنے مقصد سے وابستہ رہتے ہیں وہ بہت جلد اس سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ اگر ہم کامیابی کے متمنی ہیں تو ہمیں ہر لمحہ دل سے کامیابی کا خیال کرتے رہنا چاہیے۔ ہماری زندگی کے وہ حسین خواب جو ہم دیکھتے ہیں، ہماری پرعزم کوششوں سے حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اگر آپ کے ارادے مضبوط ہیں تو آپ کی کوششیں کبھی رائیگاں نہیں جاسکتیں کیونکہ اللہ بھی ان ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنے مقصد میں کامیابی کیلئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اپنی ذات پر اعتماد کرتے ہیں اور ثابت قدمی سے زندگی کی دشواریوں اور حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ زندگی ایک رواں دواں قافلہ ہے اور یہاں پر اپنے آپ کو منوانے کیلئے منزل کا تعین ہوجانے کے بعد مستقل مزاجی اور عزم سے ڈٹ جایئے، یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

رجوع الی اللہ اور توبہ کی اہمیت

(مولانا محمد عاشق الٰہی)

اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے، وہ ارحم الراحمین ہے، مشرک اور کافر کے علاوہ سب کی مغفرت فرما دیگا۔ جس قدر گناہ سرزد ہو جائیں اس کی رحمت سے مایوس اور نا اُمید کبھی نہ ہوں اور برابر توبہ کا اہتمام کرتے رہیں اگر توبہ بار بار ٹوٹتی رہے پھر بھی برابر توبہ میں لگے رہیں، کسی دن انشاء اللہ پکی توبہ بھی ہو جائے گی۔

صغیرہ گناہوں کی مغفرت اوران کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر مغفرت ہو جانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر توبہ نہ کی اور اسی طرح موت آ گئی تو بشرطِ ایمان مغفرت تو پھر بھی ہو جائے گی لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ بلا عذاب کے مغفرت ہو جائے، اللہ تعالیٰ یوں بھی مغفرت فرما سکتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے گناہوں کی سزا دینے کیلئے دوزخ میں ڈال دے۔ پھر عذاب کے ذریعہ پاک وصاف کر کے جنت میں بھیجے۔ چونکہ عذاب کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے اس لئے ہمیشہ پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مغفرت کی اُمید رکھیں۔ اس کی رحمت سے کبھی نا اُمید نہ ہوں تا کہ اس حال میں موت آئے کہ توبہ کے ذریعے سب کچھ معاف ہو چکا ہو۔

بعض لوگ اپنی نادانی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم عذاب بھگت لیں گے۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ دوزخ کی آگ کی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ دنیا کی آگ کی گرمی کو ستر مرتبہ اکٹھا کر لیا جائے تو تب دوزخ کی آگ کے برابر ہوگی۔ کیا گناہ کی ذرا سی لذت محسوس ہوتی ہے اس کو اتنے بڑے عذاب کے مقابلے میں چھوڑنے کیلئے نفس کو آمادہ نہیں کر سکتے؟ اور توبہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے؟۔

مغفرت کی خوشخبری سن کر گناہوں پر جرأت کرنا اور اس گھمنڈ میں گناہ کرتے چلے جانا

کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلیں گے،بہت بڑی نادانی ہے۔کیونکہ آئندہ کا حال معلوم نہیں، کیا پتہ توبہ سے پہلے موت آجائے، پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ موت سے پہلے توبہ واستغفار کی دولت ان ہی لوگوں کونصیب ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا دھیان رکھتے ہیں اور کبھی کبھار گناہ ہوجاتا ہے تو توبہ کرلیتے ہیں جو لوگ مغفرت کی تمنا کو سامنے رکھ کر گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں ان کو توبہ کا خیال تک نہیں آتا۔عقل مندوں کا یہ شعار نہیں کہ مغفرت کے وعدے پر بے خوف ہو جائیں۔ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

بہت سے لوگ زبانی توبہ کرتے رہتے ہیں اور اپنا حال ٹھیک نہیں کرتے۔گناہوں میں جیسے لگے ہوئے تھے،توبہ کے باوجود ان میں اسی طرح ملوث رہتے ہیں،توبہ کا اثر ان کے احوال اور اعمال پر ظاہر نہیں ہوتا۔لوگوں نے ہزاروں نمازیں چھوڑ رکھی ہیں،سینکڑوں روزے کھا رکھے ہوں، بھاری تعداد میں لوگوں کے مال دبا رکھے ہیں،غیبت منہ کولگی ہوئی ہے مسلمان بھائیوں کا گوشت کھا رہے ہیں۔ان پر بہتان اور تہمتیں دھر رہے ہیں اور ساتھ ہی توبہ۔توبہ۔توبہ کی رٹ لگا رکھی ہے، یہ کیسی توبہ ہے؟ پکی اور سچی توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنا حال درست کیا جائے اور ضائع کردہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کی جائے جیسے کوئی لوگ ہوتے ہیں جو گمراہ فرقوں سے متاثر ہوکر ان کے عقائد اور افکار ونظریات کی تبلیغ شروع کردیتے ہیں اور ان میں جو صاحب قلم ہوتے ہیں، ان گمراہوں کی حمایت میں مضامین بھی شائع کرتے رہتے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور توبہ نصیب ہوتی ہے تو گھر بیٹھ کر توبہ کرلیتے ہیں حالانکہ ان پر لازم ہے کہ جس جس کو گمراہ کیا ہے اس کو حق بتادیں کہ یہ گمراہی ہے، میں گمراہی میں تھا اور تمہیں بھی اس پر لگایا تھا اب ہم اس گمراہی سے توبہ کرتے ہیں۔اور اخبارات یا کتابی صورت میں گمراہی کی جو چیزیں شائع کیں ہیں ان کی تردید شائع کرے بلکہ اظہارِ حق اور اپنی توبہ کی اشاعت کرے۔

درحقیقت جسے انابت الی اللہ کی دولت نصیب ہوجائے وہ دنیا کو نہیں دیکھتا اور آخرت پر نظر کرتا ہے اور خوف وخشیت کی صفت اس کو ہر اس بات کیلئے آمادہ کردیتی ہے جس پر آخرت

درست ہو، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا والے کیا کہیں گے بلکہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اپنی بات کی پچ کرتا رہا تو آخرت میں میرا کیا بنے گا۔

عالم برزخ کے حالات منکشف ہو جائیں تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں:

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "توبہ (جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ) تو ان ہی کی ہے جو نادانی میں کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں (فوراً) توبہ کر لیتے ہیں، تو ان پر تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کے سامنے موت کی گھڑی آ جائے تو کہنے لگے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی (توبہ قبول ہے) جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے۔ ان لوگوں (کافروں) کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(سورۃ النساء۔۱۷۔۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک کہ اس کی روح حلقوم میں نہ پہنچ جائے۔ جب گلے میں روح آ کر اٹک گئی اور غرغر کی آواز آنے لگی، اس وقت کی توبہ کا اعتبار نہیں۔

جتنے گناہ ہوں توبہ کرنے سے سب معاف:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے انسان! بے شک تو جب تک مجھ سے دُعا کرتا رہے گا اور مجھ سے اُمید لگائے رہے گا میں تجھے بخش دونگا، تیرے گناہ جو بھی ہوں اور میں کچھ پرواہ نہیں کرتا، اے انسان! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں کو پہنچ جائیں پھر (بھی) تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔

سالکینِ حق کا دستور العمل

(انتخاب: حافظ محمد یٰسین)

فرمایا: مجاہدہ اور محاسبہ نفس کرنے والے اولوالعزم سالکین راہ حق کے لیے دس خصلتیں ہیں جن پر انہوں نے مداومت کی پھر ان خصائل کو جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم اور مضبوط کر لیا تو شریعت کے بلند مرتبوں پر پہنچ جاتے ہیں۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ بندہ قصداً یا سہواً جھوٹی یا سچی ''اللہ کی قسم'' نہ کھائے اس لیے کہ اس خصلت کو جب اپنی ذات میں مضبوط کر لیا اور اپنی زبان کو اس کا عادی بنا لیا تو یہ عادت بندہ کو قصداً یا سہواً ہر طرح کی قسم کو چھوڑ دینے کی طرف لے آتی ہے اور جب وہ اس ترک حلف کا عادی ہو گیا تو اللہ اس پر اپنے انوار کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے دل میں اس عادت کی منفعت اور اپنے درجہ میں رفعت اور اپنے عزم وصبر میں قوت پاتا ہے۔ اور اپنے بھائیوں میں تعریف اور پڑوسیوں میں بزرگی حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ جو اسے پہچانتا ہے اس کی تقلید کرتا ہے اور جو اسے دیکھتا ہے اس سے ہیبت کھاتا ہے۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ قصد کے ساتھ یا مذاق کے ساتھ ہر طرح جھوٹ کہنے سے بچے۔ اس لیے کہ جب ایسا کرے گا اور اس صفت کو اپنے نفس میں مضبوط رکھے گا اور سچ بولنے کو زبان کی عادت کر لے گا تو اللہ اس کا سینہ کھول دے گا اور اس شرح صدر سے اس کا علم روشن کر دے گا۔ ایسا کہ گویا وہ جھوٹ کو جانتا پہچانتا ہی نہیں۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ اگر کسی سے کسی شے کا وعدہ کیا ہے تو اس وعدے کے خلاف کرنے سے بچے یا قطعی طور پر وعدہ ہی نہ کرے کیونکہ یہ وعدہ نہ کرنا اس کے حق میں وعدہ خلافی سے بچنے کے لیے زیادہ قوی ہے اور اس کے راستہ کے لیے زیادہ میانہ روی ہے، اس لیے کہ وعدہ خلافی جھوٹ کی ایک قسم ہے اور جب وعدہ خلافی سے ڈر کر وہ ایسا کرے گا تو اس کے لیے سخاوت کا دروازہ اور حیا کا درجہ کھل جائے گا اور صادقین کے دلوں میں اس کی محبت ہوگی۔ اور اللہ کے نزدیک اسے رفعت دی جائے گی۔

چوتھی خصلت یہ ہے کہ مخلوقات میں سے کسی چیز پر لعنت نہ کرے اور کم وبیش کسی کو ایذا نہ پہنچائے کیونکہ یہ صفت اخلاق ابرار وصدیقین میں سے ہے، اور ایسے شخص کیلئے حسن خاتمہ ہے اور وہ دنیا میں ان درجات کے ساتھ جو خدا نے اس کے لیے مہیا کر رکھے ہیں حفاظت الٰہی میں رہتا ہے اور اللہ اسے ہلاکت میں گرنے سے بچاتا ، اور مخلوق کے گزند سے اسکو سلامت رکھتا ہے اور اسے اپنا مقرب اور اپنے بندوں پر مشفق بناتا ہے۔

پانچویں خصلت یہ ہے کہ کسی مخلوق پر بھی بددعا کرنے سے پرہیز کرے اگرچہ اس پر ظلم کیا گیا ہو پھر ظلم کرنے والے سے بول چال نہ چھوڑے اور اس کے کردار کا اس سے بدلہ نہ لے اور اپنے قول وفعل سے اس کی ہمسری نہ کرے بلکہ خدا کے لیے تحمل وبرداشت کرے اس لیے کہ یہ خصلت بندہ کو درجات عالیہ کی طرف بلند کرتی ہے۔ اور بندہ اس خصلت کے ساتھ جب مودب وآراستہ ہو جاتا ہے تو پا لیتا ہے دنیا وآخرت میں بڑے درجے کو اور دور ونزدیک کی تمام مخلوق میں محبت اور دوستی اور مقبولیت کو۔ اور دعا کی قبولیت کو اور عبادت اور امور خیر میں بلندی مرتبہ اور قلوب مومنین میں اپنے اعزاز اور وقار کو۔

چھٹی خصلت یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی مخلوق پر یقین کے ساتھ کفر وشرک اور نفاق کو گواہی نہ دے۔ کیونکہ یہ خصلت رحمت سے زیادہ قریب اور مرتبہ میں زیادہ بلند ہے۔ اور یہ خصلت کمال اتباع سنت ہے۔ اور اللہ کے علم میں دخل دینے سے بہت بعید اور خدا کے غضب سے بہت دور رکھنے والی ہے۔ اور یہ خصلت اللہ کی رحمت ورضامندی سے بہت قریب ہے۔ پس اللہ کے نزدیک یہ ایک بلند اور بڑا دروازہ ہے جو بندہ مومن کو تمام مخلوق پر مہربانی کرنے کا مالک بنا دیتا ہے۔

ساتویں خصلت یہ کہ گناہوں کی چیزیں دیکھنے سے ظاہر وباطن میں بچے اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھے کیونکہ یہ عمل اس دنیا میں قلب اور جوارح کو حصول ثواب کی طرف جلد لے جانے والا ہے۔ باوجود ان ذخائر کے جنہیں خیر آخرت سے اللہ نے اسکے لیے رکھا ہے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ان خصلتوں پر عمل کرانے سے ہم پر احسان کرے اور ہماری شہوات کو ہمارے دلوں سے نکال دے۔

آٹھویں خصلت یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی پر خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنا بوجھ ڈالنے سے خواہ وہ

تھوڑا ہو یا بہت، پرہیز کرے۔ بلکہ تمام مخلوق سے اپنی ان چیزوں کا بوجھ اٹھا لے جن کی اسے احتیاج ہے۔ یا وہ مستغنی ہے۔ کیونکہ یہ خصلت عابدین کی پوری عزت ہے اور متقین کا شرف ہے اور اسی سے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قوت پاتا ہے۔ پھر سب مخلوق اسکے نزدیک ایک مرتبہ میں ہوجاتی ہے۔ جب مومن ایسا ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے غنا اور یقین عطا کرے گا۔ اور اپنی (اللہ کی) ذات پر بھروسہ کرنے والا بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی خواہش نفس سے بلند نہیں کرتا پھر اس مومن کے نزدیک حق میں تمام مخلوق برابر ہوجائے گی۔ اور اس پر یقین رکھنا چاہیے کہ یہ عزت مومنین کا دروازہ ہے اور متقین کے لیے شرف ہے اور یہ خصلت مقام اخلاص تک پہنچنے کے لیے بہت قریب دروازہ ہے۔

نویں خصلت یہ کہ سالک کو سزاوار ہے کہ آدمیوں سے طمع نہ رکھے اور جو چیزیں مخلوق کے پاس ہیں نفس کو ان کے لالچ میں نہ ڈالے۔ پس بیشک یہ بڑی عزت اور خالص غنا اور بڑی بادشاہی ہے، اور بڑا فخر اور روشن یقین ہے اور شفا دینے والا کھلا ہوا توکل ہے اور یہ زہد اور خدا پر اعتماد رکھنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اور اسی سے پرہیزگاری پائی جاتی ہے اور عبادت کامل ہوتی ہے، اور یہ ان لوگوں کی علامت میں سے ہے جنہوں نے سب رشتے قطع کر کے اللہ ہی سے تعلق رکھا۔

دسویں خصلت تواضع ہے اس واسطے کہ تواضع سے عابد کا مقام اونچا اور مرتبہ بلند کیا جاتا ہے اور خدا و خلق کے نزدیک اس کی عزت اور بلندی پوری ہوجاتی ہے۔ اور وہ دنیا و آخرت کی جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہوجاتا ہے اور یہ خصلت کل طاعات کی اصل اور ان کی فرع اور ان کا کمال ہے اور اسی سے بندہ ان صالحین کے مرتبے پاتا ہے جو خوشی اور تکلیف دونوں میں اللہ سے راضی ہیں اور یہ خصلت تواضع کمال تقویٰ ہے، اور تواضع کی تعریف یہ ہے کہ بندہ جس کسی سے بھی ملے اس کی بڑائی اپنی ذات پر دیکھے اور کہے شاید یہ شخص مجھ سے بہتر اور مرتبہ میں بلند ہو پس اگر وہ چھوٹا ہے تو کہے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اور میں نے بیشک نافرمانی کی ہے۔ پھر کوئی شبہ نہیں کہ وہ مجھ سے بہتر ہے اور اگر وہ بڑا ہے تو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ کی عبادت کی ہے اور اگر وہ عالم ہے تو کہے کہ اسے وہ چیز دی گئی ہے جس تک میں نہیں پہنچا اور اس نے وہ چیز پائی ہے جو میں نے نہیں پائی ہے اور اس نے اس چیز کو جانا ہے جسے میں نے نہیں جانا اور وہ علم کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ اگر وہ جاہل ہے تو کہے کہ اس نے

اللہ کی نافرمانی انجانے میں کی ہے اور میں نے جان کر اللہ کی نافرمانی کی ہے اور میں نہیں جانتا کہ میرا خاتمہ کس حال پر ہوگا اور اس کا خاتمہ کس حال پر ہوگا۔اور اگر وہ کافر ہے تو کہے میں نہیں جانتا شاید کہ مسلمان ہو جائے اور پھر اس کا خاتمہ عمل خیر پر ہو اور ممکن ہے کہ میں کافر ہو جاؤں اور میرا خاتمہ برے عمل پر ہو اور یہ خصلت دروازہ ہے غیر پر شفقت کرنے اور اپنے نفس پر ڈرنے کا اور یہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کی مداومت رکھی جائے اور یہ وہ انتہائی چیز ہے جس کا اثر بندوں پر باقی رہے گا۔جب بندہ ایسا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آفات نفس سے محفوظ رکھے گا۔اور اسے اللہ کے لیے نصیحت کرنے والے صاحب ارشاد کے مقام پر پہنچا دے گا۔ اور وہ دوستان ومقبولان بارگاہ رحمٰن سے اور اللہ کے دشمن ابلیس کے اعداء میں سے ہوگا اور یہ دروازہ رحمت کا ہے اور اسی تواضع کے ساتھ کبر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور عجب کی رسی کٹ جاتی ہے اور بندہ کے نفس کی بڑائی کا درجہ دین اور دنیا وآخرت میں گھٹ جاتا ہے اور تواضع عبادت کا مغز ہے اور زاہدوں کی انتہائی بزرگی اور عابدوں کی پہچان ہے۔پس کوئی شے اس سے افضل نہیں ہے،اور اس خصلت کے ساتھ ساتھ بندہ کی زبان بے سود باتوں اور تمام عالم والوں کے ذکر (اور غیبت) سے بند ہو جاتی ہے اور اس خصلت کے بغیر اس کا کوئی عمل پورا نہیں ہوتا۔اور یہ تمام احوال میں اس کے دل سے کبر اور کینہ اور بغاوت کو نکال دیتی ہے اور اس کی زبان اور اس کی خواہش اور اس کا کلام ظاہر وباطن میں ایک ہو جاتا ہے اور مخلوق اس کے نزدیک نصیحت وخیر خواہی میں برابر اور ایک ہو جاتی ہے۔اور وہ اللہ کی کسی مخلوق کو برائی کے ساتھ یاد نہیں کرتا اور کسی کو کسی فعل پر بلا مصلحت سرزنش نہیں کرتا اور پسند نہیں کرتا کہ اس کے روبرو کسی کی برائی بیان کی جائے اور ایسے بیان سے اس کا دل خوش نہیں ہوتا۔اور غیبت آفت ہے عابدوں کے لیے اور ہلاکت ہے عابدین اور زاہدوں کے لیے مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان اور قلب کی حفاظت پر اپنی رحمت سے مدد عطا فرمائی (وہ اس سے بچا)

(ماخوذ از فتوح الغیب از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

اسلام میں عورت کا مقام

(عبدالرشید ساہی)

غیر مسلم اور متعصب مخالفین اسلام نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام نے عورت کو بہت ادنیٰ مرتبہ دیا ہے حالانکہ غیر مسلم اقوام نے عورت کو جس قدر ذلیل و خوار کر رکھا ہے اور جس طرح یورپی معاشرہ میں اس کی تذلیل کی جا رہی ہے وہ کسی سے بھی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جس طرح عورت کو ہندو تہذیب نے نشانہ ستم بنا رکھا ہے یہ تو ظلم کی انتہا ہے۔ لیکن مسلمان اس اعتراض کا نشانہ اس لیے بنے کہ انہوں نے اپنی معاشرت میں اسلام سے بیگانہ ہوتے ہوئے عورتوں کو رسوم و رواج اور مردانہ خود غرضی کے پیدا کردہ غلط آئین کی بدولت بہت بے بس بنا دیا ہے۔ اسلام نے جو حقوق عورت کو عطا کیے ہیں مسلمانوں نے رفتہ رفتہ ان کو سلب کر لیا ہے اور ان نادانوں کی وجہ سے، ان کی ہوس پرستی نے اسلام کو بدنام کر دیا اور غیروں کو انگلی اٹھانے کا موقعہ فراہم کیا۔ اسلام میں عورت بحیثیت ماں کا مرتبہ بہت اعلیٰ و مقدس ہے۔ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے خدا تعالیٰ نے مرد و زن کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر اقدار حیات کے لباس سے عریاں ہو جاتا ہے۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اللہ کریم کے حکم کے خلاف ابلیس لعین کی چال میں آ گئے تو سب سے پہلی ان کو سزا یہ دی گئی کہ ان کو ایک دوسرے کی نظر میں ننگا کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ جب مسلمان آئین خداوندی کی خلاف ورزی کرے گا تو سزا اسی طرح کی ملے گی۔ عشق حق کی محبت کا آغاز ماں کی محبت سے ہوتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں "عشق حق پروردہ آغوش او"

رحمت عالم نبی کریم ﷺ نے خوشبو، نماز اور عورت کو اس دنیا کی پسندیدہ ترین چیزیں قرار دی ہیں۔ یہ تینوں جسمانی اور روحانی لطافتوں کا جوہر ہیں جس مسلمان نے عورت کو محض

اپنا پرستار اور اپنے ادنیٰ اغراض کا تختۂ مشق سمجھ لیا وہ قرآن کی حکمت سے بے بہرہ رہا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ مسلمے کو را پرستارے شمرد   بہرہ از حکمت قرآن نہ برد

اسلام نے جنت کا مقام ماں کے قدموں کے نیچے قرار دیا ہے اُمت اور امومت (اُم: ماں) میں گہرا معنوی ربط ہے۔ نبی پاک ﷺ کی شفقت اپنی امت پر بھی مادرانہ شفقت ہوتی ہے۔ سیرت اقوام انبیاء کی تعلیم اور مثال سے بنی ہے یا اچھی ماؤں کی شفقت اور تربیت ہے۔ انسانی روابط میں محبت کا رشتہ قائم کرنے کے لیے قرآن کریم اور انسانی زندگی میں امومت کا یہ مقام ہے کہ اگر کوئی بے علم ماں جو ظاہری حسن جمال نہ بھی رکھتی ہو، سادہ اور کم گو ہو لیکن ایک غیور مسلمان حق پرست اس کے بطن سے پیدا ہو اور اس کی آغوش میں پرورش پائے تو بقاء و احیاء ملت کے لیے ایک اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ بڑے بڑے تعمیری کام اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں، جن پر مرد فخر کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی نازک اندام عورت فرنگی یا ہندو تہذیب کی تقلید میں تہی آغوش رہے اور بار امومت کو اپنے لیے بار خاطر سمجھے تو اس کو عورت نہیں کہنا چاہیے۔ ایسی عورت انسانیت کے لیے باعث شرم ہے۔ حیاء نا آشنا آزادی ملت کشی کا سامان ہے۔ بے شمار ارواح جو کہ وجود پذیر ہونے کے لیے مضطرب ہیں وہ امہات کی بدولت عالم ممکنات سے عالم وجود میں آتی ہیں کسی بھی قوم کا سرمایہ نقد و قماش زر نہیں بلکہ اچھے انسان ہیں، جو خیابان مادر سے گل و لالہ کی طرح چمن افروز ہستی ہوتے ہیں جس قوم میں عورتوں کی زندگی احترام سے محروم ہے وہاں مردوں کو بھی حیات صالح نصیب نہیں ہو سکتی۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ کسی قوم کی تہذیب کو جانچنے کا اعلیٰ پیمانہ یہ ہے کہ اس معاشرہ میں عورت کا کیا مقام ہے اگر عورت ذلیل ہے تو قوم بھی ذلیل ہے اور تہذیب سے عاری ہے۔ مسلمان عورتوں کے لیے اسوہ کاملہ سید النساء فاطمۃ الزہراؓ ہیں عیسوی دنیا مریم طاہرہ و صدیقہ کی پرستش کرتی ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی حضرت مریمؑ کا بڑا احترام ہے اور یہ فقط اس نسبت سے ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی ماں ہیں اور

ان کی عفت کا خدا شاہد ہے۔حضرت فاطمۃ الزہرہؓ تین بلند پایہ نسبتوں کا مرکز ہیں ایک مرتبہ رحمت عالمﷺ کی بیٹی ہونے کا دوسرا مرتبہ حضرت علی حیدر کرارؓ کی بیوی ہونے کا اور تیسرا مرتبہ حضرت امام حسینؓ کی ماں ہونے کا۔تمام دنیا کو ٹٹولیے، اس قسم کی تین نسبتیں بہت کم ملیں گی حضرت امام حسینؓ کی سیرت اور حریت کا سرچشمہ اخلاق پدر بھی ہے اور اخلاق مادر بھی لیکن ماں کی سیرت فرزند میں زیادہ موثر ہوتی ہے اس لیے کہ بیداری شعور سے پہلے اس کے اثرات تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

سیرت فرزند ہا از امہات　　جوہر صدق وصفا از امہات

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ ایک یہودی محتاج کی مدد کرنے کے لیے اپنی چادر فروخت کردیتی ہیں۔عرب کے بادشاہ سردار دو عالمﷺ کی بیٹی ہیں لیکن کوئی خدمت گار نہیں۔قرآنی آیات کو دہراتی ہوئی چکی پیستی ہیں آج بھی اگر کوئی ماں گھر کا کام کاج کرتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کرے اپنی عصمت وعفت کا خیال رکھے اپنے خاوند کی مکمل وفادار رہے اور خدا اور رسول خداﷺ کے احکامات کی پاسداری کرے تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ مرد حریت ہی ہوگا اور وہ معاشرہ کی امامت ہی کرے گا۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا　　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ اقبالؒ عورتوں کو دور حاضر کے فتنوں سے آگاہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ عورت فرنگی تہذیب کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لے اور دین و اخلاق سے کنارہ کش ہو کہ جھوٹی آزادی کے چسکے میں اپنی پاکیزہ فطرت کو خیر باد کہہ دے۔نسوانی فطرت میں خدا نے بلند جذبات رکھے ہیں ان کی حفاظت حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے نمونہ پر زندگی بسر کرنے سے ہی ہوسکتی ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

قیس پیدا ہوں تیری آغوش میں ممکن نہیں　　تنگ ہے صحرا تیرا محمل ہے بے لیلیٰ تیرا

اللہ تعالیٰ کی معرفت

کیمیائے سعادت از امام غزالیؒ (تلخیص وترجمہ: شاہد زبیر)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنے نفس کو پہچان! تا کہ تو ربّ کو پہچان سکے۔ آدمی کا دل ایک آئینہ ہے گویا جو اس میں غور کرے گا اللہ کا نظارا کرے گا۔ بعض ایسے ہیں جو اپنے پر غور تو کرتے ہیں لیکن ربّ کو نہیں پہچانتے۔ اوّل تو عوام کی اکثریت اسے سمجھتی ہی نہیں۔ البتہ ان کو سمجھانے کیلئے مناسب ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے اپنے ربّ کو پہچانے۔ اپنی صفات کو ربّ کے جاننے کا ذریعہ بنائے۔ اپنی سلطنت گویا اس کا بدن اور اعضاء جن پر اس کا اختیار ہے اس کو ذریعہ بنا کر اللہ کے اختیار کو سمجھے جو اسے سارے جہاں میں حاصل ہے۔ اب فرق یہ ہے کہ بندے کو خود اس نے پیدا نہیں کیا بلکہ کسی اور نے اسے پیدا کیا ہے اور اس کے باوجود کمال کے درجے تک پہنچا۔ دوسری طرف اس کی قدرت کا اندازہ کرے جس نے پانی کے ناپاک قطرے سے ایسی شکل وصورت بنا دی جس میں کمال و جمال کے تمام جواہر موجود ہیں۔ آدمی جب اپنی عجیب وغریب صفات پر غور کرے گا تو اسے اپنے خالق کو پہچاننے میں آسانی رہے گی کہ وہ کس طرح سارے عالم اور اس کی اشیاء پر محیط ہے پھر وہ یہ بھی جان لے گا کہ اس پر کوئی شئے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

دنیا کے تمام عالم ایک طویل زندگی پا کر غور وفکر بھی کرلیں تو وہ انسانی اعضاء ایسی کوئی صورت پیدا نہیں کرسکتے۔ کجا یہ کہ وہ اس کی بہتر صورت پیدا کریں۔ مثلاً دانت خوراک کو پیس ڈالتے ہیں۔ زبان آبخورے کی صورت کو اناج کو چکی میں داخل کرتی ہے۔ پھر اس کے نچلے حصے کی طاقت اسے ایک خاص مقدار میں گیلا کرتی ہے کہ وہ گلے میں پھنسنے نہ پائے۔ ہاتھ کی کوئی صورت بدل کر بنانا بھی چاہے تو نہیں بنا سکتا۔ انگوٹھا انگلیوں کو حرکت دیتے ہیں۔ جس طرح دماغی قوت، رگوں اور پٹھوں کی وساطت سے انگلیوں میں جنبش پیدا کرتی ہے اسی طرح وہ جو ہر لطیف تاروں اور اس کے شعاعی اثرات کے واسطہ سے سفلی عالم کی بنیادی چیزوں کی طبع میں جنبش پیدا کرتے ہیں

جن کو گرمی، سردی، خشکی اور تری کہتے ہیں۔ جس طرح قلم کے کام ختم کرنے پر قوت خیال کی شکل آنکھ میں واضح و ظاہر ہو جاتی ہے اسی طرح گرمی سردی جب ان مرکبات کی بنیادی حقیقتوں کو جنبش دیتی ہیں۔ تب فرشتوں کی مدد سے حیوانات و نباتات وغیرہ کی شکلیں لوح محفوظ کی صورتوں کے مطابق ظہور پذیر ہو جاتی ہیں۔ تمہیں یہ جان لینا چاہئے کہ یہ سب کچھ حق ہے اور صاحب بصیرت اسے کشف سے صاف معلوم کر لیتے ہیں۔ اور ان پر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

تیرے اندر بادشاہی کا ہلکا نمونہ پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو جان سکے۔ اس لئے لازم ہے کہ تو اس بڑے اور حقیقی بادشاہ کا شکر ادا کرے جس نے تجھے بادشاہی کے رتبے پر فائز کیا۔ تیری کرسی کو خزانہ خالی سے بطور لوح محفوظ بنایا۔ اس کے ساتھ آنکھ، کان وغیرہ تیرے فرشتوں کی مانند ہیں۔ دماغ جو تمام پٹھوں کا منبع ہیم مانند تیرا عرش ہے پھر تیرے دل کو تمام چیزوں سے پاک کر کے اسے تمام اعضاء پر بادشاہ بنایا اور پھر ہدایت دی کہ اپنی مملکت سے غافل مت ہو ورنہ خالق سے دور ہو جائے گا۔

"پس اللہ نے پیدا کیا آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر سوائے
انسان تُو اپنے کو پہچان تا کہ تو اپنے رب کو پہچان سکے۔"

آدمی کی بادشاہی، مالک کی بادشاہی کا نمونہ ہے جو دو علوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلا آدمی کے نفس کا علم اور پھر اس کی قوتوں، صفات، اعضاء کے ساتھ تعلق، دل کی قوتوں اور صفات کا ان کے ساتھ تعلق۔ دوسرا وہ علم جو زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ دنیا کے بادشاہ کی سلطنت کا فرشتوں سے اور پھر فرشتوں کا آسمان، کرسی اور عرش سے تعلق یہی زیادہ افضل علم ہے۔ جو بھی ہوشیار رہے گا، اس پر اعتقاد کرے گا اور ان کے ذریعے اللہ کی بڑائی کو جان لے گا اور جو غافل اور کم عقل ہوگا وہ کبھی نہ جان سکے گا کہ وہ غافل اور نادان ہے۔ علم طبیعہ اور علم نجوم والے اپنی کم عقلی کی وجہ سے سارے معاملات کا تعلق سیاروں سے جوڑتے ہیں لیکن وہ آخری درجے پر ہیں وہ سیاروں، ستاروں کو تو جانتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہ فرشتوں کے ماتحت ہیں۔ عالم اجسام تک

رسائی والے لوگ تو پہلے درجہ پر رکے ہیں۔اور عالم روحانیت کی راہیں ان پر مسدود ہیں۔ عالم ارواح جنھیں لوگ عالم انوار بھی کہتے ہیں، دشوارگزار گھاٹیاں ہیں جن میں سے گزرنا ہرایک کے بس کی بات نہیں ہے۔پھر یہ گرمی، سردی جن کو نجومی عامل اسباب میں داخل کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ تو آخری صف میں کھڑے رہنے والے خدام کی طرح ہیں وہ غلطی پر ہیں اور ستاروں کو بھی اصل سمجھ بیٹھے ہیں۔حقیقت میں یہ خدام اپنی طرف سے کوئی بھی کام کرنے سے قاصر ہیں جس طرح پٹھے انسانی اعضاء کو حرکت میں لانے کیلئے اس طاقت سے کام لیتے ہیں جو دماغ میں ہے اسی طرح ستارے ان فرشتوں کے واسطے سے مصروف عمل رہتے ہیں۔یہ بے چارہ نجومی اور علوم طبعی کا ماہر تو بادشاہ کے ایک خادم کے عمل پر ہی دنگ ہے اور اپنی کم علمی و کم عقلی کی بنیاد پر خادم کو ہی بادشاہ کہنا شروع کر دیتا ہے اور یہی تو ایک راز ہے۔

بروج اور آسمان کواکب جو بارہ برجوں پر تقسیم ہیں، عرش عظیم ان سب کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے جس کا ایک خاص حجرہ ہو، جس میں اس کا وزیر بیٹھا ہو، حجرے کے بارہ دروازے ہوں اور ہر دروازے پر وزیر کا ایک ماتحت وزیر بیٹھا ہو اور ہر ایک کے آگے سات نقیب سوار دروازوں پر باہر پھرتے ہوں اور جو احکامات وزیر سے ملیں، انہیں سنیں اور چار پیادے ان سات سواروں سے دور کھڑے اس بات کا انتظار کرتے ہوں کہ بڑی سرکار سے کیا حکم موصول ہوتا ہے۔ان پیادوں کے ہاتھ میں چار کمندیں ہوں جن کو ڈال کر کسی نہ کسی گروہ کو بحکم حاکم حاضر کریں، سزا یا خلعت و انعام سے نوازیں۔عرش تو ایسا حجرہ ہے جو وزیر مملکت کے براجمان ہونے کی جگہ ہے جو ایک بڑا فرشتہ ہے۔

اب تمھیں ان کلمات کو جاننا ہے جو چھوٹے ہیں مگر معرفت الٰہی کا جامع ہے یہ ہیں سبحان اللہ، الحمدللّٰہ، لا الٰہ الا اللّٰہ اور اللّٰہ اکبر۔جب تم نے اپنی پاکی و تنزیہ کے ذریعے اللہ کی پاکی کو جان لیا تو تو نے سبحان اللہ کو پہچانا۔جب تو نے اپنے بادشاہ کے ذریعے اللہ کی بادشاہی کی تفصیل معلوم کی اور یہ جان لیا کہ سارے اسباب اس کے تابع فرمان ہیں تو جب تجھے

یہ آگاہی ہوگئی ہے۔اس کے سوا نعمت دینے والا کوئی نہیں اور حمد وشکر اس کے سوا کس کو لائق نہیں تو تجھے الحمدللہ کے معنی بھی معلوم ہو گئے۔جب تو نے یہ بات پالی کہ حاکم الحاکمین کے علاوہ اور کوئی حاکم نہیں ہےتو لا الـہ اِلا اللّٰہ کے معنی بھی تجھ پر کھل گئے۔اب اللہ اکبر کا مرحلہ آ گیا جب تو نے جانا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو جاننا ممکن نہیں اور اللہ کی اس بات سے کہیں زیادہ بزرگ ہیں کہ مخلوق اپنے قیاس سے ان کو جان سکےتو جان لے کہ اللہ اکبر کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اس امر سے بڑے ہیں کہ انہیں عقلی قیاس سے جانا جا سکے۔اللہ تعالیٰ کی معرفت ایک وسیع اور دقیق مسئلہ ہےلیکن آدمی کی سعادت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس سعادت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی معرفت اور عبادت ہے کیونکہ جب آدمی مر جائے گا تو پھر اسی سے واسطہ پڑے گا اس کی معرفت کیلئے اس کی دوستی ضروری ہے۔اور زیادہ دوستی زیادہ ذکر کی وجہ سے ہوتی ہے۔اسی لئے داؤدؑ کو فرمایا:”میں تیرا سہارا ہوں اور تیرا واسطہ مجھ ہی سے ہے ایک لمحہ مجھ سے غافل نہ ہو۔“

ذکر کثرت عبادت سے غلبہ آتا ہے۔خواہشات سے رشتہ توڑے بغیر فراغت اور اطمینان میسر نہیں آتا، جب تک گناہوں کو ترک نہ کرے دل فراغت نہیں پاتا جب عبادت کے لئے طبیعت میں رجوع پیدا ہوتو عبادت پھر غلبہ ذکر کا سبب ہے اور دونوں محبت اور سعادت و نیک بختی کا بیج ہیں۔نجات وفلاح نام ہی دراصل سعادت ہے۔

چونکہ عبادات سے سارے دنیاوی کاموں کی تکمیل ممکن نہیں اس لئے کہ کچھ خواہشیں لازم ہیں مثلاً کھانے کی خواہش مرد و زن کے تعلق کی خواہش اس کے لئے ضروری ہے کہ خود کو بالکل ہی آزاد نہ کر دیا جائے۔خود سے یا دوسروں پر اعتماد کر کے اس کی حدود متعین کرے۔اس راہبری میں اسے ایک دور اندیش آدمی کی ضرورت پڑتی ہے، جو انبیاء علیہم السلام ہیں۔ان کی شریعت کی پیروی کرنا اور ان کی راہ اختیار کرنے میں سعادت ہے۔جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سمجھتے ہیں یہ جہاں ہمیشہ سے ہے یا اس ترتیب سے خود بخود معرض وجود میں آ گیا ہے اور اسے علم طبعی کا نتیجہ سمجھا ہےتو یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ خود سے ہی بے خبر ہے۔لہٰذا وہ اور کیا سمجھے گا۔

بعض لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے شریعت کے معنی نہیں جانتے بس یونہی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے بُرے اعمال سے اللہ کو کیا سروکار یا یہ اعمال اللہ کو کیا نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہی لوگ شریعت سے غافل ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ شریعت اللہ کیلئے کام کرنے کا نام نہیں۔ پھر بعض یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں خواہش، غصہ اور ریاء سے پاک کرنے کا حکم ہے، حالانکہ یہ چیزیں انسان کی تخلیق میں رکھی گئی ہیں۔ شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ان چیزوں کو دور کرو، بلکہ حکم دیا کہ انہیں ادب سکھایا جائے، اس طرح کی شریعت اور عقل پر غالب نہ ہونے پائیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس کی تعریف کرتا ہے، جو غصہ کو ضبط کرنے والا ہو۔ یہ تعریف کہیں نہیں کی کہ فلاں میں غصہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سے بے خبر یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ رحیم ہے۔ ہم جس حال میں بھی ہوں اللہ ہم پر رحم فرمائے گا۔ حالانکہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔ انہیں دیکھنا چاہیے کہ رحیم وکریم ہوتے ہوئے بھی وہ لوگوں کو بلاؤں، مصیبتوں، بیماریوں اور بھوک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اللہ ہر ایک کے رزق کا ضامن اور کفیل ہے۔ لیکن اس نے انسان کو محنت وسعی کا پابند بھی کیا ہے۔ تجارت وفلاح کا دارومدار بھی انسانی اعمال پر رکھا ہے۔ اس طرح بعض لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے غرور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس درجہ پر ہم پہنچ گئے ہیں گناہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے اور اگر کوئی ان کو جھٹلائے تو وہ ان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ بزرگان دین جانتے ہیں کہ جس نے خواہشات کو اپنا مطیع اور قیدی نہیں بنایا وہ جانوروں کی طرح ہیں اور ان کا نفس انتہائی دھوکہ باز ہے۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ غفلت کا سبب جہالت اور نادانی نہیں بلکہ خواہش ہوا کرتی ہے۔ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ تمہارا خالق مطلق اور عالم الغیب ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن تمہاری حیثیت ایک بندے ہی کی ہے۔

مرکز کی ڈائری

3 جنوری 2016 بروز اتوار کو شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ بابا جان محمد یعقوب خان توحیدی نے مرکز تعمیر ملت پر موجودہ عمارت کے ساتھ ہال کی تعمیر کا افتتاح فرمایا۔ یہ چونکہ مہینے کا پہلا اتوار تھا (یاد رہے کہ انگریزی ماہ کے پہلے ہفتے مضافات کے حلقہ جات سے بھائی قبلہ بابا جان سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے ہیں) اس لیے قرب وجوار کے حلقوں، گکھڑ، نوکھر، ڈسکہ، گوجرانوالہ اور ڈی سی کالونی وغیرہ سے بھائیوں کی کثیر تعداد نے اس بابرکت پروگرام میں شرکت کی۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے بڑے صاحبزادے محترم جناب خالد محمود ڈار صاحب بھی شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان کی خصوصی دعوت پر افتتاح کے اس پروگرام میں شریک ہوئے۔

اس موقع پر قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو ترقی دے۔ اللہ تعالیٰ بانی سلسلہ قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی نشاط ثانیہ کے لیے سلسلہ توحیدیہ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

اس موقع پر ہمارے بہت پیارے بھائی محمد عثمان چیمہ صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے قبلہ بابا جان کو تعمیراتی سامان کی فراہمی کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ بابا جان مرکز تعمیر ملت پر تعمیراتی سامان کی فراہمی میری ذمہ داری ہے مجھے چند گھنٹے پہلے بتادیا جائے کہ کیا چاہیے وہ سامان مرکز پر پہنچ جائے گا۔ الحمدللہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ تعمیراتی سامان کی فراہمی کی کوئی پرابلم نہیں۔ ظہرانے میں بھائیوں کی تواضع چکن پلاؤ سے کی گئی۔ کھانے کے بعد بھائی بابا جان سے الوداعی ملاقات کے بعد تشریف لے گئے۔

16 جنوری بروز ہفتہ راولپنڈی کے بزرگ بھائی جناب پیر خان صاحب، خواجہ ولی محمد صاحب، عزیز عارف صاحب تشریف لائے۔ ہفتہ کی شام کو یہ بزرگ مرکز تشریف لائے۔ رات مرکز پر قیام فرمایا اور صبح اتوار کو تقریباً دس بجے واپس تشریف لے گئے۔ انہوں نے مرکز پر

تعمیراتی کام کو سراہا کہ اس سے سالانہ اجتماع پر بھائیوں کو آرام کرنے میں سہولت ہو جائے گی۔

17 جنوری گکھڑ کے خادم حلقہ محمد یونس ہاشمی اور محمد عثمان تشریف لائے۔ یہ بھائی صبح تقریباً دس بجے تشریف لائے اور بارہ بجے تشریف لے گئے۔

18 جنوری آدھ کے چیمہ کے خادم حلقہ جناب محمد صادق تشریف لائے۔

20 جنوری چیچہ وطنی سے بزرگ بھائی جناب چوہدری محمد حسین صاحب تشریف لائے۔ رات مرکز پر قیام کیا اور صبح واپس تشریف لے گئے۔

لسوڑی کے خادم حلقہ جناب سید محمد عبداللہ شاہ صاحب اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لائے۔ رات مرکز پر ہی قیام کیا اور صبح واپس تشریف لے گئے

28 جنوری کو حلقہ لسوڑی سے ہمارے بہت ہی پیارے بھائی جناب محترم رحمت اللہ شاہ صاحب جو اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں سویڈن گئے ہوئے ہیں، مرکز تشریف لائے۔ ظہرانہ انہوں نے قبلہ بابا جان کے ساتھ کیا۔ ظہرانے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے خواجہ ولی محمد صاحب کے بڑے بھائی

فیصل آباد سے ہمارے پیر بھائی ولی محمد صاحب (قبلہ انصاری صاحبؒ کے مرید تھے)

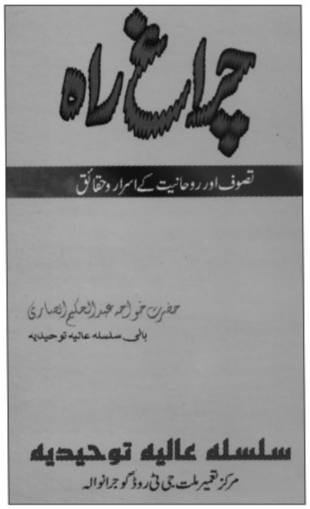
نوشہرہ ورکاں کے بھائی لطیف توحیدی صاحب کی اہلیہ

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

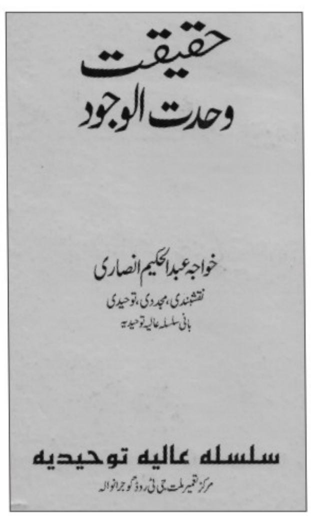
(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ) اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

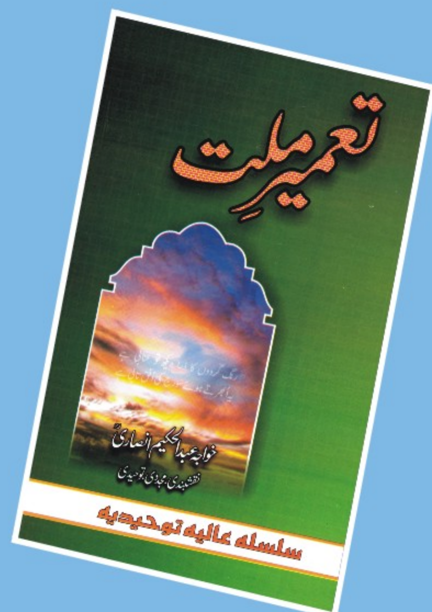


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com